لوح و قلم

مجھے پھانسی دیگئی تو..

بھٹو کا یحیی بختیار کے نام خط

صفحہ ۷ پر

دفتر رابطہ الفتح مطبوعات کراچی

قیمت ۵ روپے

قارئین لکھتے ہیں

کیا یہی تمہارا اسلام ہے؟

۶ فروری کو سپریم کورٹ نے مسٹر بھٹو کی پھانسی کی سزا کی توثیق کردی اس کے بعد دنیا کے ہر حصے سے مسٹر بھٹو کی جان بخشی کے لئے اپیلیں موصول ہونا شروع ہوگئیں اس موقعہ پر بھٹو کے سیاسی مخالف بوکھلا گئے اور ان اپیلوں کو اندرونی معاملات میں مداخلت سے تشبیہ دینے لگے کیونکہ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جب تک بھٹو موجود رہے وہ کبھی بھی اقتدار کے قریب نہیں پہنچ سکتے۔ انہیں اس کو خطرہ محسوس ہوا کہ بھٹو کی جان بچ گئی تو وہ اپنے خواب کبھی پورے نہیں کرسکیں گے کیونکہ بھٹو کے پاس وہ طاقت ہے جس کو عوام کہتے ہیں انہوں نے ان اپیلوں کو ناجائز قرار دیا مداخلت قرار دی اور کہا کہ اسلام کے نقطہ نظر سے بھٹو کو جلد سے جلد پھانسی دی جائے اسلام تو کہتا ہے کہ اپنے سب سے بڑے دشمن کو بھی معاف کردو۔ پھر تم کیوں اس کو موت کے گھاٹ اتارنا چاہتے ہو کیوں اپیلوں کو ناجائز قرار دیتے ہو یہ اپیلیں اس لئے کی گئی ہیں کہ وہ جانتے ہیں کہ یہ وہی بھٹو ہے جس نے تیسری دنیا کی ترجمانی کی بھٹو نے غریب کو جینے کا حق دیا۔ بھٹو نے پاکستان کا وہ آئین بنایا جس سے سب نے اتفاق کیا بھٹو نے پاکستان کے نوے ہزار جنگی قیدی بھارت سے آزاد کرائے وہ علاقہ واپس لیا جس پر بھارت نے قبضہ کیا تھا پاکستان میں اسٹیل ملز تعمیر کروائی۔ ایٹمی پلانٹ کی خریداری کا معاہدہ کیا لیکن تم نے اس پر پانی پھیر دیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اپیلیں بھٹو کے لیے کیوں باقی کے لئے کیوں نہیں میں کہتا ہوں کہ کیا تم کو ان دونوں میں کیا فرق نہیں معلوم کیا باقی نے یہ کام کیے ہیں یہ تمام کام بھٹو نے کیے ہیں۔

میں جنرل ضیاء سے درخواست کرتا ہوں کہ بھٹو کے مخالفوں کی باتوں میں نہ آئیں اور بھٹو کی پھانسی کی سزا ختم کردیں۔ وہ کریں جو اسلام کہتا ہو جب بھٹو کو تین ججوں نے بے گناہ ثابت کیا ہے اسے بری کرنے کا حکم دیا ہے پھر پھانسی کیوں؟ اسلام کے مجاہد کو بچایا جائے" اور اس کی سزا ختم کی جائے۔

(قمر علی۔ کراچی)

بھٹو اور پاکستان

فوجی حکومت کے ایک وزیر چوہدری ظہور الٰہی کو دیکھئے تعلیمی قابلیت سے کورے عقل سے پیدل ہیں من و سلویٰ کی طرح وزارت ہاتھ آگئی اب الٹے سیدھے بیانات داغ رہے ہیں ابھی حال ہی میں ایک بیان دیا ہے کہ اسلام میں قاتل کو معاف کرنے کی گنجائش نہیں۔ صدر مملکت بھی معاف کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے بھائی سابق پیدل سپاہی اور حال فوجی وزیر برائے سیاسی امور آپ کا اپنے متعلق کیا خیال ہے آپ اسلام سے ذرہ برابر بھی واقفیت نہیں رکھتے آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اسلام قاتلوں کو قصاص کی سہولت فراہم کرتا ہے آپ اسلام کا صحیح طریقہ سے مطالعہ کریں بیان کسی اور سے دلائیں آپ نہ کبھی اس قابل تھے اور نہ ہیں کہ سیاسی بیان بازی کریں یا اسلام کی تشریح کریں ابھی حال ہی کی بات ہے آپ نے اپنے گھر میں ایک شادی رچائی اور کھانے پر جو رقم خرچ کی وہ آپ بہتر جانتے ہیں کیا یہ خاص اسلامی فعل تھا میاں اس وقت سے ڈرو جب عوام تم لوگوں کا محاسبہ کرینگے بھٹو کے فیصلے میں تو کافی سے زیادہ وقت صرف ہوا اگر تمہارے اور تم جیسے تمہارے ساتھیوں کے فیصلے میں کوئی وقت صرف نہ ہوگا جنرل ضیاء کو چاہیئے کہ وہ بھٹو کی جان بخشی کردیں اسے ذاتی انا کا مسئلہ نہ بنایا جائے ذاتی انا نے ہمارے مشرقی بازو کو ہم سے جدا کردیا ایسا نہ ہو کہ ہمارا یہ گھر یعنی دوسرا بازو بھی انتشار کا شکار ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔ پھر ہم کہاں جائیں گے

(ایس ایچ خان السعودیہ)

بھٹو کا فیصلہ اور کابینہ

جنرل ضیاء نے ایک انٹرویو میں کہا ہے کہ مسٹر بھٹو کے سلسلہ میں موصول ہونے والی رحم یا معافی کی درخواستوں کا فیصلہ وہ خود نہیں کریں گے بلکہ اس مسئلے کو کابینہ اور ملٹری کونسل کے سامنے پیش کریں گے صدر مملکت کو تو آئین کے ذریعے عوام نے جان بخشی کا اختیار دیا ہے کسی کابینہ یا ملٹری کونسل کو نہیں دیا اور جب کہ کابینہ بھی ایسی ہو جو غیر منتخب ہو اور چور دروازے سے برسر اقتدار آئی ہو مارشل لاء کی کابینہ میں جتنے افراد شامل ہیں وہ عوام کے مسترد کردہ اور بھٹو کے دشمن ہیں مثال کے طور پر پیدل سپاہی ظہور الٰہی متعدد بار مسٹر بھٹو کو پھانسی دلوانے کا اعلان کرچکے ہیں حالانکہ اس وقت مقدمہ عدالت میں زیر سماعت تھا اور اب بھی ہے جماعت اسلامی جو فوجی کابینہ میں شامل ایک اہم جماعت ہے وہ بھٹو کے خون کی پیاسی ہے یہ کہاں کا انصاف ہے کہ بھٹو کا فیصلہ ایسی کابینہ میں پیش کیا جائے جو اپنے قول اور فعل سے بھٹو کی جانی دشمن ثابت ہو چکی ہے جنرل ضیاء کو ہمارا مشورہ ہے کہ وہ الیکشن کرا کر اقتدار سول منتخب حکومت کو منتقل کردیں اور وہ حکومت بھٹو کا فیصلہ کرے۔

(محمد عرفان احمد کراچی)

کچھی کے مسائل

ہمارے اس علاقے میں ناگہانی سیلابوں کی تباہ کاریوں سے بچنے کے لیے کوئی حفاظتی بند حکومت نے تعمیر نہیں کرائے اور اسی طرح جب بھی حکومت کی جانب سے ناگہانی سیلابوں کی تباہ کاریوں کے پیش نظر کوئی بھی امداد مہیا کی گئی تو وہ غریبوں کے لئے نہیں بلکہ صرف بڑے لوگوں کی جیبوں کا خزانہ بن جاتی ہے بیل پٹ اسٹیشن سے جھڑی شہر تک کا فاصلہ تقریباً ۲۰ میل کا ہے ان دونوں شہروں کے درمیان راستے میں بڑے بڑے گاؤں پائے جاتے ہیں ان کی آبادی کے لئے ایک کچی سڑک ہے جو برساتی موسم میں ٹریفک کے لئے معطل ہو کر رہ جاتی ہے۔ عوام کے شدید مطالبے کے بعد عوامی حکومت کے دور میں آج سے تین چار سال قبل ایک پختہ سڑک منظور ہوئی اس سڑک کی تعمیر کے لیے پرانی سڑک کے مطابق نقشہ بنانے کے بجائے افسر شاہی نے بڑے لوگوں کی خوشنودی اور ان کے منشا پر بیل پٹ سے جھڑی تک سڑک کی تعمیر کا کام تیار کرکے ٹھیکہ منظور نظر لوگوں کو دیا لیکن اس عرصہ میں بعض جگہ صرف پتھروں کے ڈھیر لگانے کے سوا ابھی کچھ بھی نہیں ہوا ہے اس اسکیم کی پہلی خامی تو ہے کہ نقشہ راستے میں پڑنے والے گاؤں کو نزدیک رکھ کر تیار نہیں کیا گیا ہے دوسرا یہ کہ آج تک اس سڑک پر کوئی زیادہ کام نہیں ہوا لیکن یہ بات یقینی ہے کہ اس کی تعمیر کے لئے کافی ادائیگی بھی کی گئی ہوگی مگر حکومت ان ٹھیکیداروں سے جواب طلبی نہیں کرتی آخر کیوں۔

جھڑی شہر میں تین بجلی کے جنریٹر ہیں یہ جنریٹر تقریباً ۱۵ میل کے فاصلے تک بجلی مہیا کرسکتے ہیں لیکن آس پاس کے گاؤں اس بجلی کی سہولت سے محروم ہیں اس کے علاوہ ٹیلیفون لائن ہے تو وہ بھی صرف جھڑی شہر میں ٹیلیفون ہے آخر کیوں آس پاس کے گاؤں کو نظر انداز کیا جارہا ہے

صحت کے شعبے میں ان بڑے گاؤں میں سے خاص کر قصبہ تنیہ میں سرکاری ڈسپنسری تو کھل گئی لیکن تین سال ہوئے اس کی عمارت گر گئی ہے حکومت کو اس بارے میں کافی درخواستیں وغیرہ دی گئی ہیں لیکن ابھی تک اس طرف توجہ نہیں دے رہی ہے جس کھلے آسمان کے نیچے بیٹھنے سے مریضوں اور ڈاکٹروں کو خاص تکلیف کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے

انور شاہ بخاری

(ضلع کچھی)

بھٹو ازم

گزشتہ شمارے میں کورنگی کے شاہد احمد صاحب کا مراسلہ بعنوان "حرف بھٹو ازم" نظروں سے گزرا۔ ان کی تنقید حقیقت پر مبنی نہیں الفتح مطبوعات کا ہر شمارہ بھٹو ازم پر نہیں بلکہ حقائق پر مبنی ہوتا ہے جھوٹ کا پردہ چاک کرتا ہے آج کل ملک جس نازک دور سے گذر رہا ہے اگر اس کی نشاندہی نہ کی جائے۔ بھٹو کو سزائے موت دینے سے جو خطرناک نتائج برآمد ہو سکتے ہیں انہیں عوام کے روبرو پیش نہ کیا جائے تو کیا الفتح مطبوعات کا جریدہ منڈیوں کے بھاؤ بتائے یا حکومت کی کاسہ لیسی کرے حکومت کی خوشامد اور ادھر ادھر کی فضول باتیں شائع کرنے کے لیے اور بہت سے اخبارات اور جرائد موجود ہیں ازراہ مہربانی الفتح مطبوعات کو چمچہ گیری کا مشورہ نہ دیں شاہد صاحب نے یہ بھی تحریر کیا کہ "کیا علامہ نصیر الاجتہادی کا بیان شائع کرنا ضروری تھا" تو آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ علامہ نصیر الاجتہادی ایک ممتاز شیعہ عالم دین ہیں کسی سیاسی پارٹی یا مارشل لاء انتظامیہ کے پٹھو نہیں ہیں۔

محمد افضل شہزاد

گرین ٹاؤن کراچی

دفتر رابطہ

الفتح

مطبوعات

ماہنامہ

لوح و قلم

ایڈیٹر: بختیار ملک

۶۹-ڈی ۵-زسری کمرشل ایریا، پی۔ای۔سی۔ایچ۔ایس کراچی ۲۹ —— ٹیلیفون نمبر: ۴۳۲۲۷۴

مدیر اعلیٰ (اعزازی)
ارشاد راؤ

مدیر
واحد بشیر

وقائع نویس
منہاج برنا، شبیہ الحسن

کالم نگار
حسین نقی

انتظامی امور
حاجی عدیل

تزئین
عبدالرحمٰن

مارچ

سنہ ۱۹۷۹ء

قیمت
۵
روپے

خاص مضامین

کیا مارشل لائی حکمرانی کو "قانون کی حکمرانی" کہا جا سکتا ہے؟ —— منہاج برنا —— ۵
ضیاء، پیر پگاڑہ ملاقات —— نمائندہ خصوصی —— ۶
امریکی وفد بھی مایوس لوٹ گیا —— ذوالفقار حیدری —— ۸
بھٹو اور عالمی پریس۔ اداریئے اور تبصرے —— ۹
سرحد میں نیز افغان سیاسی جماعتیں ترہ کی حکومت کے خلاف سرگرم عمل ہیں —— خصوصی رپورٹ —— ۱۸
پاکستانی سفارتخانہ، بھٹو دشمنی اور کاغذی تنظیموں پر سرمایہ کاری —— بشیر ریاض —— ۲۰

نمائندے
اسلام آباد ○ ذوالفقار حیدری
آزاد کشمیر ○ سید نذیر گیلانی

صوبائی نمائندے
سندھ ○ مقیم نواب شاہ ○ محمد نواز خلجی
پنجاب ○ مقیم لاہور ○ کاشف
سرحد ○ مقیم پشاور ○ خلیل خاں خٹک
بلوچستان ○ مقیم کوئٹہ ○ ناصر عرفات

ضلعی نمائندے
حیدرآباد ○ مدد علی بلوچ
تھرپارکر ○ محبوب احمد
سانگھڑ ○ ایاز سندھی
سکھر ○ ارشد حسین
ٹنڈوالہ یار ○ کامل سموں
ملتان ○ ناصر زیدی
گوجرانوالہ ○ محمد افضل جنجوعہ
ٹوبہ ٹیک سنگھ ○ غیاث الدین جانباز
فیصل آباد ○ طارق سعید
گجرات ○ میاں محمد شریف زاہد
میانوالی ○ روشن ملک
سرگودھا ○ الطاف چغتائی
وہاڑی ○ احسان ملک
گوادر ○ سلیمان شریف

بیرونی ممالک
پیکنگ ○ رشید بٹ
ماسکو ○ محمد زاہد
کینیڈا ○ سعید بن سعود
لندن ○ عبدالحفیظ قریشی
یورپ ○ فاروق طارق
دوبئی ○ غلام جیلانی
کویت ○ ملک نذیر

پبلشر بختیار ملک نے ناظر پریس سے چھپوا کر ۵-۶ نمبر ہاؤس سے شائع کیا۔

یہ دعویٰ، قربان جائیے

پچھلے ہفتے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاءالحق نے لاہور میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کئی معاملات پر اظہارِ خیال کیا تھا مگر سب سے زیادہ زور اس بات پر دیا اور فخر کا اظہار کیا تھا کہ انہوں نے اور ان کے ساتھیوں نے ملک کو قانون کی حکمرانی دی ہے۔ اسی پریس کانفرنس میں جنرل موصوف نے یہ یاددہانی بھی کرائی کہ موجودہ حکومت فوجی حکومت ہے۔

برطانیہ کے دارالامراء میں ایک بحث کے دوران ڈیوک آف ولنگٹن نے مارشل لاء کی تعریف ان الفاظ میں کی تھی "مارشل لاء فوج کی کمان کرنے والے جنرل کی مرضی سے نہ تو زیادہ ہے نہ ہی کم، درحقیقت مارشل لاء کا مطلب ہے کسی قانون کی غیر موجودگی"

ہمارے ہاں اس وقت جزوی طور پر آئین نافذالعمل ہے اور مارشل لاء ماورائے آئین۔ یا مارشل لاء کا دور دستور سے انحراف کا دور ہے اور اس کا جواز "نظریۂ ضرورت" ہے۔ اس مخصوص صورتحال میں جنرل ضیاء کے فخریہ اعلان کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اور ان کے ساتھی عوام سے اپنی مرضی کی پابندی کروانے میں کامیاب رہے ہیں اور قانون کی حکمرانی انہی معنوں تک محدود ہے ورنہ چھوٹی سے لے کر اعلا ترین عدالتوں تک کی موجودگی میں فوجی عدالتوں کا کیا جواز ہو سکتا ہے؟ اور آئین کی موجودگی میں مارشل لاء جیسے ہنگامی قانون کے طویل عرصے تک جاری رکھنے کی منطق کیا ہے۔ جدید معاشرے میں قانون کا تصور یہ ہے کہ ان کی تشکیل میں عوام کی بالواسطہ رضا مندی شامل ہو اور یہ رضا مندی حاصل کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ ہے منتخب قانون ساز ادارے۔ ان اداروں کی غیر موجودگی میں اصولی طور پر قانون کا وجود ہی ممکن نہیں تو پھر اس کی حکمرانی قائم کرنے کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے؟

اس اصولی بحث سے قطعِ نظر ایک اور پہلو ہے جو شاید جنرل صاحب کی نظر میں نہیں ہے اور اگر ہے تو شاید وہ اسے دانستہ طور پر نظر انداز کرنا چاہتے ہیں۔ وہ پہلو ہے قانون نافذ کرنے والے اداروں سے متعلق افراد اور خاص طور پر پولیس کے ہاتھوں قانون کی دیدہ و دانستہ خلاف ورزی۔ جس کی تازہ ترین مثال آج (۵، مارچ) کے اخبارات میں شائع ہونے والی ایک خبر ہے کہ کراچی کی ایک بستی اورنگی ٹاؤن میں پولیس والے نہ صرف یہ کہ بغیر کسی قانونی اختیار کے ایک مکان کے اندر داخل ہو گئے بلکہ انہوں نے خواتین کو مارا پیٹا۔ یہ واقعہ کوئی مخصوص یا منفرد واقعہ نہیں ہے۔ ہمیشہ کی طرح پچھلے ڈیڑھ سال میں بھی عوام پر یہ زیادتیاں ہوتی رہی ہیں۔ خاص طور پر ایسی صورت میں جبکہ سیاسی وجوہات کی بناء پر پولیس کسی کو گرفتار کرنا چاہتی ہے اور نہیں کر پاتی ہے تو ایسے افراد کے والدین اور اہلِ خانہ کو نہ صرف پریشان کیا جاتا ہے، دھمکیاں دی جاتی ہیں بلکہ بعض اوقات انہیں (جن میں خواتین بھی شامل ہوتی ہیں) تھانوں پہ طلب کیا جاتا ہے اور غیر قانونی طور پر زیرِ حراست رکھا جاتا ہے۔ پھر جو لوگ گرفتار ہوتے ہیں ان پر تشدد تو یہ ادارے اور خاص طور پر پولیس اپنا فطری حق سمجھتی ہے۔ اس سلسلے میں دیدہ دلیری کی انتہا یہ ہے کہ آزادیٔ صحافت کی تحریک کے دوران رضاکارانہ طور پر گرفتاریاں پیش کرنے والوں کو بھی بخشا نہیں گیا اور انہیں جبر و تشدد کا شکار بنایا گیا۔ یہ ساری غیر قانونی حرکات ایسی نہیں ہیں جو پردۂ راز میں ہوں بلکہ اس تشدد کا نشانہ بننے والوں نے اخبارات و جرائد کے ذریعے ان واقعات سے عوام کو باخبر کیا ہے اور ہم یہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ یہ واقعات موجودہ حکومت کے علم میں نہیں ہیں کیونکہ اخبارات و جرائد میں جو کچھ شائع ہوتا ہے اس پر یہ حکومت جتنی گہری نظر رکھتی ہے شاید کوئی سابقہ حکومت اس کی ہمسری نہ کر سکے۔ اس صورتحال میں اگر حکومت خود اپنے ملازمین کو قانون شکنی سے روک نہیں سکتی یا روکنا نہیں چاہتی تو اسے کیسے یہ حق پہنچتا ہے کہ قانون کی حکمرانی قائم کرنے کا دعویٰ کرے؟

کیا مارشل لاء کی حکمرانی کو "قانون کی حکمرانی" کہا جا سکتا ہے

صحافیوں کے ساتھ حکومت بھی اپنے لئے ایک ضابطہ اخلاق بنائے

منہاج برنا

چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور صدر جنرل ضیاء الحق صاحب سے آپ کتنا ہی اختلاف کریں اور ان کے بعض فرمودات کو کتنا ہی لایعنی کیوں نہ قرار دیں، ایک بات آپ کو یقیناً تسلیم کرنا ہوگی کہ وہ بہت صاف گو واقع ہوتے ہیں اور جو کچھ کہنا چاہتے ہیں لاگ لپیٹ رکھے بغیر بلا جھجک فرما دیتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ جو کچھ آج کہتے ہیں کل اسے بھول جاتے ہیں اور اس کے برعکس کوئی قول صادر فرما دیتے ہیں یا اکثر اوقات وہ کہنے سے پہلے یہ نہیں سوچتے کہ اس کا مفہوم کیا ہے یا اہلِ وطن اس سے کیا مطلب نکالیں گے۔

مثلاً لاہور کی حالیہ پریس کانفرنس میں انہوں نے کرکٹ کی اصطلاح میں بڑی بڑی باؤنڈریاں ماری ہیں بلکہ "چھکے" بھی۔ مثلاً ان کا یہ قول ملاحظہ ہو کہ "موجودہ حکومت نے کچھ کیا ہو یا نہ کیا ہو مجھے فخر ہے کہ میں نے اور میرے ساتھیوں نے ملک کو قانون کی حکمرانی ضرور دی ہے۔" اب یا تو جناب صدر قانون کی حکمرانی کی اصطلاح کے مفہوم اور اور اس کی روح سے واقف نہیں ہیں یا پھر اپنی کمزوریوں کی پردہ پوشی کرنا چاہتے ہیں کہ ایسا بے بنیاد دعویٰ کر رہے ہیں جس کا وہ کوئی ثبوت فراہم نہیں کر سکتے۔

ہم نے یہی سنا ہے کہ کسی جمہوری ملک میں جملہ قوانین کا سرچشمہ اس کا آئین ہوتا ہے اور اس کا احترام اور اس کی پابندی ہر شہری کا فرض ہوتا ہے۔ قانون کی حکمرانی کے مفہوم میں آئین کی حکمرانی بھی شامل ہے، نہ صرف شامل ہے بلکہ اس کی روح ہے۔ یہاں تک کہ جو قوانین آئین کے منافی ہوتے ہیں وہ غیر قانونی تصور کئے جاتے ہیں لیکن یہ قانون کی حکمرانی کیسی ہے کہ جس میں آئین کو اٹھا کر طاق پر رکھ دیا جائے، اسے منسوخ کر دیا جائے یا معطل کر دیا جائے قانونی طور پر منتخب حکومت کو برطرف کر دیا جائے، قانونی طور پر عوام کی منتخب قومی اسمبلی کو توڑ دیا جائے اور فوج کا چیف آف اسٹاف مارشل لاء نافذ کر کے خود چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بن جائے اور آئین کے جملہ اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لے کس آئین اور قانون کے تحت یہ تمام کارروائیاں قانونی اور جائز قرار دی جا سکتی ہیں، اور پھر بھی یہ دعویٰ کیا جائے کہ موجودہ حکومت نے ملک کو قانون کی حکمرانی دی ہے۔

اس سے زیادہ مضحکہ خیز بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ جو حضرات آئین اور قانون کی دھجیاں بکھیریں وہ یہ دعویٰ کریں کہ انہوں نے قانون کی حکمرانی دی ہے محض اس لئے کہ فوجی طاقت ان کے پیچھے ہے۔ اگر صدر صاحب یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے ملک کو فوج کی حکومت دی ہے یا "رول آف لاء" RULE OF LAW کی جگہ "رول آف مارشل لاء" RULE OF MARTIAL LAW دیا ہے تو یہ بات درست ہوتی۔ لیکن بھائی صاحب آج کی دنیا میں قانون کی حکمرانی کے ساتھ فوراً جمہوریت، بنیادی انسانی حقوق اور شہری آزادیوں کا تصور ذہن میں آتا ہے۔ آج کے ترقی یافتہ مہذب معاشرے میں مارشل لاء کے ضابطوں، سرسری سماعت کی فوجی عدالتوں اور ان کے ذریعہ دی جانے والی قید بامشقت اور کوڑوں کی سزاؤں کو قانون کی حکمرانی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ایک بات میں مؤدبانہ عرض کردوں اور وہ یہ کہ غلط باتوں کو اگر نیشنل پریس ٹرسٹ کے اخبارات اور ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے خواہ کتنی ہی بار اور کتنی اونچی آواز اور کتنی شہ سرخیوں سے کیوں نہ دہرایا جائے وہ غلط ہی رہیں گی۔

ضابطۂ اخلاق

ایک بات صدر ضیاء نے یہ بھی فرمائی کہ صحافی اگر اپنے مرتب کردہ ضابطۂ اخلاق کی پابندی کریں یا اس کی پابندی کرنے کا یقین دلائیں تو وہ رسوائے زمانہ پریس آرڈی نینس منسوخ کرنے بلکہ نیشنل پریس ٹرسٹ کو بھی توڑنے کے لئے تیار ہیں۔ صدر محترم ــ یہ ضابطۂ اخلاق کا مسئلہ کہاں سے آگیا۔ بھائی اخلاق تو پوری قوم کا ٹھیک ہونا چاہئے اور ضابطۂ اخلاق اگر بنانا ہے تو پوری قوم کے لئے بنایا جائے اور ہر شعبۂ زندگی کے لئے بنایا جائے ہم نے تو یہی سنا ہے کہ تمام شہریوں کے لئے عام قوانین موجود ہیں، جن کی خلاف ورزی پر گرفت ہوتی ہے اور ان قوانین کے تحت عام عدالتوں کے ذریعہ سزا ملتی ہے یا مل سکتی ہے۔ البتہ ایسے قوانین جو کالے قوانین کی تعریف میں آتے ہیں انہیں قانون کہنا ہی غلط ہے اور اسی لئے ان کی تنسیخ کا مطالبہ کیا جاتا ہے پریس آرڈی نینس ایسا ہی کالا قانون ہے جسے ضیاء الحق صاحب کی طرح ایک اور کمانڈر انچیف یعنی ایوب خان نے آئینی حکومت ختم کر کے اور پارلیمنٹ توڑ کر نافذ کیا تھا جس کی تمام سیاسی جماعتوں نے مخالفت کی تھی اور اس کی تنسیخ کا مطالبہ کیا تھا بھٹو صاحب نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے منسوخ کریں گے، لیکن وہ بھی اسے استعمال کرتے رہے اور اپنے آخری وقت میں جب ان کے خلاف تحریک چلی تو انہوں نے ۱۸ اپریل ۷۷ء کو اسے منسوخ کرنے کے فیصلے کا اعلان کیا، لیکن عملاً منسوخ نہیں کیا۔ جب ضیاء الحق کا مارشل لاء لگا تو انہوں نے

باقی صـ ۲۹ پر

تازہ تبصرے

بھٹو پر نہیں پاکستان پر احسان ہوگا

جناب ذوالفقار علی بھٹو کی جان بخشی کے لئے آخری اور فیصلہ کن جدوجہد کے مرحلے میں سعودی عرب کے شاہ خالد کی اپیل ان دنوں پاکستان کے عوام کا سب سے مرغوب موضوع ہے اس اپیل کے سلسلہ میں حکومت کے زیر کفالت اخبارات نے جو کردار ادا کیا ہے وہ قارئین سے پوشیدہ نہیں ہے اور اسلامی عدل وانصاف کے جماعتی اخبار "جسارت" نے اس اپیل کی پاداش میں سعودی حکومت کے سربراہ سے لے کر پاکستان میں سعودی سفیر جناب ریاض الخطیب تک کو اپنے اداریے میں جو بے نقط سنائی ہیں وہ بھی ڈھکی چھپی نہ ہوں گی۔

تاہم بی بی سی نے جو ایک غیر ملکی ادارہ ہے ۴ مارچ کی شام کو یہ انکشاف کیا ہے کہ تمام تر کوششوں کے باوجود جناب شاہ خالد کی اپیل کی اہمیت کو کم نہیں کیا جا سکا بی بی سی کے بقول اقتصادی امور کے اجلاس کے لیے پاکستان سے اعلیٰ اختیارات کا جو وفد ایک روز پہلے سعودی عرب گیا تھا بڑی عجلت میں ۴ مارچ کو واپس چلا آیا بی بی سی کے خیال کے مطابق بظاہر یہ وفد اقتصادی معاملات پر مذاکرات کے لیے گیا تھا مگر یہ بات بعید از قیاس ہے کہ وفد نے جناب بھٹو کے بارے میں گفت وشنید نہ کی ہو۔

بی بی سی نے مزید بتایا کہ وفد جو کہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے چیف آف اسٹاف لیفٹیننٹ جنرل کے ایم عارف وزیر خزانہ جناب غلام اسحٰق خان اور مشیر امور خارجہ جناب آغا شاہی پر مشتمل تھا واپسی کے فوراً بعد کابینہ کے اجلاس میں شامل ہو گیا جو سہ پہر تک جاری رہا۔

بی بی سی کے مطابق بعد کی اطلاع یہ تھی کہ پاکستان پیپلز پارٹی کے رہنما جناب عبدالحفیظ پیرزادہ کو کابینہ کے اجلاس کے خاتمے پر جنرل ضیاء الحق سے ملاقات کرنی تھی۔

بی بی سی کی اس اطلاع کے اگلے روز اخبارات میں تصدیق ہو گئی جس سے یہ اندازہ قائم کرنے میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی کہ وفد کی سعودی عرب سے واپسی کابینہ کے اجلاس میں شرکت اور جنرل ضیاء الحق کی پیرزادہ سے ملاقات کی کہانی مربوط اور مسلسل ہے روزنامہ جسارت نے اپنی "اسلامی جسارت" کے مطابق اس خبر میں ڈنڈی ماری یوں دکھائی کہ پیرزادہ کی ملاقات کو جناب بھٹو سے پیرزادہ کی پیشگی ملاقات کے بعد کے واقعہ سے تعبیر کیا۔ اور یہ تاثر دیا کہ انہوں نے جناب بھٹو کے مشورے سے جنرل ضیاء الحق سے ملاقات کی ہے۔ اگر واقعات کا تسلسل یہی ہوتا تو دوسرے اخبارات بھی اس کی گواہی دیتے کم از کم کثیر الاشاعت جنگ ہرگز ہرگز کوتاہی نہ کرتا کہ بھٹو کی زندگی اور موت کا مسئلہ میر خلیل الرحمٰن کا بھی ایک مسئلہ ہے بہر حال پیرزادہ اور جنرل ضیاء الحق صاحب کی ملاقات کو جس سیاق وسباق سے دیکھا جا رہا ہے وہ یہی ہے کہ جناب بھٹو کی جان بخشی کو کیسے عملی جامہ پہنایا

جا سکتا ہے۔

بی بی سی نے اپنی خبر کے ضمن میں یہ بات واضح کر دی تھی کہ کچھ عرصہ پہلے پیپلز پارٹی کے بعض رہنماؤں نے جنرل ضیاء الحق سے جو ملاقاتیں کی تھیں ان میں یہی جان بخشی کا موضوع سرفہرست تھا جس میں اس بات کی یقین دہانی بھی شامل تھی کہ اگر حکومت جناب بھٹو کی جان بخشی کر دے تو پیپلز پارٹی اس بات کی ضمانت دے سکتی ہے کہ جناب بھٹو آئندہ سیاست میں حصہ نہ لیں گے۔ بی بی سی کے مطابق پیپلز پارٹی کے رہنما یقین دہانی کے سلسلہ میں اپنے آپ کو سخت مشکلات سے دوچار پاتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ جناب بھٹو کو سیاست سے باہر رکھنے کے لئے ان کی کم سے کم شرط یہی ہے کہ ان کی جان بخشی کر دی جائے اب تک دنیا بھر سے جتنی بھی اپیلیں آئی ہیں سب میں اس بات کا تقاضہ کیا گیا ہے۔ سعودی عرب کے شاہ خالد نے بھی اپنی اپیل میں واشگاف الفاظ سے جناب بھٹو کی جان بخشی چاہی تھی اور پاکستان میں سعودی سفیر نے بھی اس اپیل پر عمدہ اضافہ کیا تھا جو جماعت اسلامی کی سیخ پائی کا سبب بنا۔

اب چونکہ اپیلوں کا کم سے کم تقاضہ جان بخشی ہے اس لئے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ حکومت اس کے صلے میں کیا مطالبہ کرے گی بظاہر جناب بھٹو کا جان بخشی کے بعد سیاست میں حصہ نہ لینا بہت زیادہ قیمتی ہے۔ مگر فوجداری مقدمے

باقی صفحہ ۵۰ پر

ضیا پیرزادہ ملاقات

۴ مارچ کی شب کو پیپلز پارٹی کے رہنما عبدالحفیظ پیرزادہ نے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاء الحق سے ملاقات کی اور جناب بھٹو کی جان بخشی کے سلسلے میں گفتگو کی یہ ملاقات دو گھنٹے تک جاری رہی اور اس سے اگلے دن مسٹر پیرزادہ نے بتایا کہ جنرل ضیاء نے انہیں بتایا کہ مسٹر بھٹو کے مسئلے کا حتمی فیصلہ تمام کور کمانڈروں اور اسٹاف آفیسرز کے مشورے سے کیا جائے گا جبکہ مسٹر پیرزادہ نے مذاکرات میں یہ موقف اختیار کیا کہ مسٹر بھٹو کو باعزت طور پر بری کیا جائے جنرل ضیاء سے ملاقات کے بعد مسٹر پیرزادہ نے جنرل فیض علی چشتی اور جنرل کے ایم عارف سے ملے اور بقول ان کے وہ دیگر کور کمانڈروں سے بھی ملاقات کریں گے۔

باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ مارشل لاء انتظامیہ چاہتی ہے کہ مسٹر بھٹو ملک سے باہر چلے جائیں بھٹو خاندان ضمانت دے کہ اس کا کوئی فرد بھی سیاست میں حصہ نہیں لے گا اور پیپلز پارٹی پر پابندی لگا دی جائے لیکن مسٹر پیرزادہ چاہتے ہیں کہ پہلے مسٹر بھٹو کو بری کیا جائے اور پھر تمام مسائل پر بات چیت کی جائے۔

دریں اثنا معلوم ہوا ہے کہ پاکستان میں سعودی عرب کے سفیر ریاض الخطیب اچانک سعودی عرب چلے گئے ہیں

ہانسی پر بھی خود اپیل کے داخل کرنے کا فیصلہ بالآخر آپ اور آپ کے معاون وکلاء پر چھوڑ دیا گیا تھا لیکن ایسا کرتے ہوئے آپ کو وہ سیاق و سباق یاد ہو گا جس میں میں نے یہ فقرہ استعمال کیا ہے "آپ میری پیٹھ کھجائیں میں آپ کی پیٹھ کھجاؤں گا۔"

دسمبر ۱۹۷۸ء میں جب میں سپریم کورٹ میں پیش ہوا، میں نے اس ادارے پر اپنے اعتماد کا اظہار کیا تھا، کسی فرد بحیثیت ایک فرد اعتماد کا اظہار نہیں کیا تھا۔ مئی ۱۹۷۸ء اور نومبر ۱۹۷۸ء کے درمیان اپنے حقیقی خدشات کے سلسلے میں میں نے جو کئی درخواستیں اور معروضات پیش کی ہیں انہیں دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

میں نے جس اعتماد کا اظہار کیا وہ اس طرح حکمتِ عملی کا حربہ نہیں تھا جو مبینہ طور پر قصوری نے اپنی جان بچانے کے لئے اختیار کیا تھا اور جسے میری اپیل پر فیصلے کی اکثریتی رائے میں اس قدر آسانی سے تسلیم کر لیا گیا۔ میں نے ایسا اس لئے کیا، کیونکہ میں محسوس کرتا تھا کہ مقدمہ کی سماعت کرنے والے لاہور ہائیکورٹ کی طرح سپریم کورٹ مجموعی حیثیت میں لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کے جنوری ۱۹۷۸ء کو بند کمرے میں سماعت کے دوران ظاہر کردہ تعصبات، جنہیں غلام مصطفےٰ کھر اور راؤ رشید کے حلف ناموں سے کافی تقویت ملی، کے بہاؤ یا اثر میں نہ آ جائے۔

سپریم کورٹ کے فیصلے میں خطِ تقسیم سے اگر کوئی بات برحق ثابت ہوئی ہے تو وہ میرا کورٹ پر اعتماد ہے۔ اگر سپریم کورٹ کا فیصلہ صادر کرنے میں دوسرے ۲ جج بھی حصہ لیتے تو یہ بات اور بھی واضح ہو جاتی۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ میں نے جس دن سے عوام کے استحصال اور خود غرضانہ مفادات کے غلبے کے خلاف علم بلند کیا اسی دن سے تاریخی طور پر اچھی طرح جانا پہچانا متعصب قوم پرستوں کا گروہ مجھے مٹا دینے کے درپے تھا۔

اسی بنا پر میں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ سپریم کورٹ کے فیصلے میں واضح تقسیم، جو ۳ ججوں کے پُرزور اختلاف سے نمایاں ہو گئی ہے، میں مجھے اپنی بے گناہی کا حتمی ثبوت نظر آتا ہے۔ نیز یہ کہ مجھے یقین ہے کہ اس طرح کے تقسیم شدہ فیصلے، جو پچھلی ۳۰ سالہ تاریخ سے لئے نمایاں طریقے پر چڑھا ہوا ہے اور جو اگر ترکیب سے حاصل کردہ نہیں تو ایک کی مہین اکثریت پر مبنی ہے، پر عمل درآمد پاکستان کی قسمت پر سنگدلی کے ساتھ مہر لگا دے گا۔

اب میں ان اہم واقعات کا تذکرہ کروں گا جو ۲۳ دسمبر ۱۹۷۸ء کو یا اس کے آس پاس سپریم کورٹ میں سماعت کی تکمیل کے بعد پیش آئے مثلاً چیف جسٹس آف پاکستان کی وہ تقریر جو

سرورق

متعصب قوم پرست
مجھے ختم کرنا چاہتے ہیں

میں نے عدالت
پر اظہارِ اعتماد کیا، کسی فرد
پر نہیں!

مجھے پھانسی دیگئی تو...

بھٹو کا یحییٰ بختیار کے نام خط

انہوں نے ۲۸ دسمبر ۱۹۷۸ء یا اس کے آس پاس لاہور میں کی، "داستان" کا سلسلہ، جنوری ۱۹۷۹ء میں نام نہاد تیسرے قرطاس ابیض کی ۴ جلدوں کا اجراء اور یہ سب کچھ ۶ فروری ۱۹۷۹ء کو سنائے جانے والے فیصلے سے پہلے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کھلے تعصب کے مظہر ان واقعات نے اس اعتماد کو، اس کی کچھ بھی تعبیر کی جائے، مسخ کر دیا جس کا اظہار ان واقعات سے پہلے کیا گیا تھا مگر بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ حکومت کی طرف سے توہین کے اس ناقابلِ دفاع مظاہرے کے باوجود اکثریتی رائے نے اسے ضروری سمجھا کہ ماتحت عدالت میں میرے مبینہ توہین آمیز رویے کو ہدفِ تنقید بنائے۔

بہرحال، پہلا مسئلہ جس کا تعلق سپریم کورٹ پر اعتماد کے اظہار سے ہے اور غیر متفقہ فیصلے کی معقولیت اور اس پر عمل درآمد کے خوفناک اور ناگزیر نتائج کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔

آپ کیا سوچتے ہیں کہ میں نے سپریم کورٹ میں یہ کیوں کہا تھا "اب آپ اگر چاہیں تو مجھے پھانسی دے سکتے ہیں"۔ اس وضاحت کی روشنی میں نظرِ ثانی کی درخواست داخل کی جائے یا نہ کی جائے اس کا فیصلہ میں آپ پر اور میرے دوسرے رفقاء پر چھوڑتا ہوں۔

(مسٹر ذوالفقار علی بھٹو)

بخدمت
مسٹر یحییٰ بختیار
بیرسٹر ایٹ لاء
۷ فروری ۱۹۷۹ء

اسلام آباد

ذوالفقار حیدری

امریکی وفد بھی مایوس لوٹ گیا

شاہ خالد اور کارٹر سنجیدہ ہیں لیکن -------

مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی جان بخشی کے لئے امریکہ، روس، ایران اور سعودی عرب سمیت تمام ہی ممالک سے اپیلیں آگئی ہیں مگر جب صدرِ مملکت، چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر اور چیف آف آرمی اسٹاف جنرل محمد ضیاالحق نے ایک انٹرویو میں کہا کہ ان پر ان اپیلوں کا کوئی اثر نہیں ہوا ہے۔ مختلف ممالک سے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی جان بخشی کے لئے باقاعدہ وفود بھیجے جانے لگے ہیں۔ ترکی کا ایک اعلیٰ اختیاراتی وفد چند روز پاکستان میں رہ کر ناکام واپس چلا گیا ہے کہ اس وفد نے بھی کوئی اثر نہیں کیا۔ امریکہ نے اپنے نائب وزیر خارجہ مسٹر وارن کرسٹوفر اور ان کے نائب مسٹر جیک میکلوس اور دوسرے چار افراد پر مشتمل ایک وفد اسی سلسلے میں پاکستان بھیجا مگر اس وفد نے بھی کوئی اثر نہیں چھوڑا۔ مسٹر بھٹو کی جان بخشی کے لئے ایمنسٹی انٹرنیشنل نے بھی قانونی دلائل پر مشتمل ایک اپیل جان بخشی کے لئے کی ہے۔ اس اپیل کے بارے میں معلوم نہیں ہو سکا کہ اس نے کوئی اثر کیا ہے یا نہیں کیونکہ یہ اپیل محترم صدر کو نہیں کی گئی۔ مسٹر بھٹو کی جان بخشی کی ان اپیلوں پر تبصرہ کرتے ہوئے جنرل محمد ضیاالحق نے کہا کہ یہ ایک سیاستدان کو بچانے کے لئے ٹریڈ یونین کارروائی لگتی ہے۔ اس "ٹریڈ یونین کے صدر" امریکہ کے صدر مسٹر جمی کارٹر نے مسٹر بھٹو کی جان بخشی کے لئے جو اپیل کی تھی۔ اس اپیل پر شاہ کے وفادار اخبار سے ایک خبر شائع کرائی گئی تھی کہ یہ اپیل سنجیدگی سے نہیں کی گئی ہے۔ اس خبر کو امریکہ کے دفتر خارجہ نے بجا طور پر اپنے صدر کی توہین محسوس کیا اور امریکی سینیٹ کی طرف سے اس سلسلے میں ایک طویل وضاحت اخبارات کو جاری کرنا پڑی تھی کہ مسٹر بھٹو کی جان بخشی کے لئے صدر امریکہ مسٹر جمی کارٹر نے پوری سنجیدگی سے اپیل کی ہے۔ اگلے روز سعودی عرب کے شاہ خالد کی طرف سے مسٹر بھٹو کی جان بخشی کی اپیل اخبارات میں شائع ہو گئی۔ اس سے پہلے سعودی عرب کے شہزادہ نے اپنے پانچ ساتھیوں کے ہمراہ کئی روز تک پاکستان میں قیام کیا تھا۔ سعودی عرب کے شہزادہ کا پاکستان میں قیام مسٹر بھٹو کی جان بخشی کے سلسلے میں صدر ضیاالحق سے یہ واضح یقین دہانی حاصل کرنے کے لئے تھا اگر وہ جان بخشی کے لئے تیار ہوں تو سعودی شاہ جان بخشی کی اپیل کریں،

سفارتی حلقوں کے مطابق صدر محمد ضیاالحق نے سعودی عرب کے شہزادہ اور ان کے ساتھیوں کو یقین دلا دیا کہ اگر سعودی عرب کے شاہ خالد نے مسٹر بھٹو کی جان بخشی کے لئے اپیل کی تو وہ مسٹر بھٹو کی سزائے موت معاف کر دیں گے مگر ان کی قید کی سزا معاف نہیں کریں گے۔ یہ واضح یقین دہانی حاصل کر کے جب سعودی شہزادہ وطن واپس تشریف لے گئے تو اس کے دو روز بعد ہی شاہ خالد کی طرف سے مسٹر بھٹو کی جان بخشی کی اپیل آگئی۔ اسی روز پاکستان کے چیدہ چیدہ اخبارات کے ایڈیٹر صدر ضیاالحق سے ملاقات کر رہے تھے ایک ایڈیٹر نے براہ راست شاہ خالد کی اپیل کے حوالے سے مسٹر بھٹو کی جان بخشی کے سلسلے میں سوال کر دیا۔ صدر محمد ضیاالحق نے کہا کہ ہمیں شاہ خالد کی طرف سے کوئی تحریری اپیل نہیں ملی ہے۔ سعودی عرب کے سفیر مقیم پاکستان مسٹر ریاض الخطیب زبانی طور پر پیغام لائے تھے ہم نے انہیں زبانی جواب دے دیا ہے کہ مسٹر بھٹو کی نظرثانی کی اپیل فی الوقت سپریم کورٹ میں زیر سماعت ہے اور اس مرحلے پر کوئی بات نہیں کی جا سکتی۔ صدر ضیا نے ایڈیٹر کو بتایا کہ اگر تحریری اپیل ہوتی تو پھر وہ سوچتے اور جواب دیتے۔ صدر ضیاالحق کی بات چیت کا جب سعودی عرب کے سفارتخانے اور ان کی وساطت سے سعودی عرب کے شاہ خالد کو علم ہوا تو انہوں نے اس کا برا منایا اور صدر محمد ضیاالحق کے نام شاہ خالد کی طرف سے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی جان بخشی کے لئے تحریری اپیل بھی دے دی۔ اس اپیل کے آجانے پر صدر ضیاالحق نے خود تو نہیں البتہ منصورہ سے رابطہ قائم کیا اور اپنے سیاسی گرو جماعت اسلامی کے بانی مولانا ابوالاعلیٰ مودودی سے شاہ خالد کے نام ایک تفصیلی خط تحریر کرایا جس میں شاہ خالد کو سپریم کورٹ کے مقدمہ کی ساری کارروائی کی تفصیل تحریر کرتے ہوتے کہا گیا ہے کہ شاہ خالد کی جان بخشی کی اپیل نے پاکستانی عوام پر شدید ردعمل کیا ہے۔ مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے شاہ خالد کی اس اپیل پر اظہارِ افسوس کرتے ہوتے اسلام کے اصول قصاص اور عدل کے معاملے میں اصول مساوات کے حوالے سے شاہ خالد کی اپیل کے مضمرات پر توجہ دلائی گئی ہے۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کا یہ ذاتی خط ایک ایسے موقعہ پر سعودی عرب بھجوایا ہے جب شاہ خالد مولانا مودودی کو شاہ فیصل عالمی ایوارڈ عطا کرنے کی تقریب منعقد کر رہے تھے اور جس تقریب میں انہوں نے مولانا مودودی کی خدمات کو سراہا۔ حکومت نے مولانا مودودی سے کہا تھا کہ وہ خود ایوارڈ لینے چلے جائیں اور ذاتی طور پر شاہ خالد سے کہیں کہ وہ یہ اپیل واپس لے لیں مگر مولانا مودودی نے صحت خراب ہونے کا بہانہ کر دیا اور خود وہاں نہیں گئے۔ تاہم شاہ خالد اس رویے سے خوش نہیں ہیں۔ لہٰذا شاہ خالد کو پیغام بھجوایا گیا ہے کہ فی الوقت سپریم کورٹ مسٹر بھٹو کی نظرثانی کی اپیل کی سماعت کر رہی ہے اس لئے اس اپیل پر اس وقت فیصلہ نہیں دیا جا سکتا تاہم فیصلہ وہی ہوگا جس کی یقین دہانی کرادی گئی ہے۔ دریں اثنا اخبارات میں سعودی عرب کے سفیر کے حوالے سے یہ خبر چھپی کہ سعودی شاہ کی یہ اپیل پوری سنجیدگی سے ہوئی ہے صدر ضیاالحق اور ان کے ساتھی اب اس امر کے لئے کوشاں ہیں کہ سعودی شاہ خالد اپنی یہ اپیل واپس لے لیں۔ اس سلسلے میں ان کی اندرونِ خانہ سرگرمیاں شروع ہو گئی ہیں صدر ضیاالحق نے اپنے تمام ساتھیوں کو یقین دلا دیا

(باقی صـ۵ پر)

پاکستان کے متذبذب فوجی آمر جنرل ضیاؔ الحق کو اب ایک بنیادی نوعیت کے فیصلے کا سامنا ہے۔ ملک کے سب سے زیادہ مقبول سیاستدان، اور وہ شخص جن کا جنرل ضیاؔ نے ۱۹ ماہ قبل تختہ الٹا تھا، کو ایک سیاسی مخالف کے خلاف سازش کے نتیجے میں ہونے والے قتل کے سلسلے میں سزائے موت سنا دی گئی ہے۔ اس ہفتے پاکستان کے سپریم کورٹ نے ۴-۳ کے فیصلے میں اس سزا کو برقرار رکھا جنرل ضیاؔ کے پاس اس میں تخفیف کرنے کا اختیار ہے ہم توقع کرتے ہیں کہ وہ ایسا کریں گے۔

مسٹر بھٹو بدلتی ہوئی سیاسی ہواؤں کے کوئی بے گناہ شکار نہیں ہیں جب وہ اقتدار میں تھے تو انہوں نے سختی کے ساتھ حکمرانی کی اور پھر سے فوجی حکومت کے قیام کی ذمہ داری بڑی حد تک ان پر عائد ہوتی ہے۔ ایک سابق فوجی حکومت کے سانحہ بنگلہ دیش میں زک اٹھانے کے بعد وہ اصلاحات اور جمہوریت کے لیے اختیار اور وعدے کے ساتھ برسر اقتدار آئے۔ اس کی بجائے انہوں نے حزب اختلاف کی سب سے بڑی جماعت پر پابندی لگائی علاقائی نفرتوں کو ہوا دی، انتخابات میں دھاندلی کی اور آخر میں عوامی احتجاج کی لہر کے خلاف اپنے اقتدار کو بچائے رکھنے کے لئے فوج کو طلب کیا۔

جب جنرل ضیاؔ نے مسٹر بھٹو کا تختہ الٹا تو نئی حکومت نے کہا کہ اس کا بنیادی فریضہ دیانتدارانہ انتخابات کے لئے فضا تیار کرنا ہے، ۲ ماہ بعد مسٹر بھٹو کو گرفتار کر لیا گیا تھا اور ان پر ایک سیاسی قتل کا الزام لگایا گیا۔ اس کے بعد جنرل ضیاؔ نے موعودہ انتخابات کو بھٹو کے مقدمے کے فیصلے تک کے لئے ملتوی کر دیا۔

ایسا کوئی طریقہ نہیں تھا جس کے ذریعے بھٹو کے مقدمے کو سیاست سے علیحدہ کیا جاتا۔ عدلیہ کی غیر جانبداری کی خواہش کے باوجود وہ مسٹر بھٹو پر اس انداز میں مقدمہ نہیں چلا سکتی تھی جیسے کہ وہ ایک عام مدعا علیہ ہوں، اپنے سرپرست کے خلاف ہو جانے والے جنرل ضیاؔ ہی کی طرح صدارت کرنے والے جج کا تقرر بھی بھٹو نے ہی کیا تھا۔ مدعا علیہ کے لیے جج اور جنرل کی حقارت اور ان کے لئے اس کی حقارت ڈھکی چھپی نہیں تھی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ سزا پر اپنی آخری نظر ثانی میں ضیاؔ اس بات پر تلے ہوتے ہیں کہ منتقم المزاج بھٹو سے کسی دن دوبارہ برسر اقتدار آنے کی راہ روک دیں لیکن انہیں اس پر غور کرنا چاہیئے کہ شہید بھٹو بھی انتقام لے سکتا ہے۔ سابق وزیر اعظم شاید اس سے زیادہ مقبول ہیں جتنے کہ وہ فوجی بغاوت سے پہلے تھے۔ فوجی حکومت کی طرف ناخوشی میں اضافہ ہوتا رہا ہے اور انہوں نے ایک طرح کا نوراتی ہالہ حاصل کر لیا ہے۔ اگر انہیں پھانسی دے دی گئی تو ہو سکتا ہے کہ ضمنیات حقیقت کی جگہ لے لیں۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ پاکستان جس کی راہ میں ورثے کی ایسی رکاوٹ ہے کس طرح جلد جمہوریت کی طرف لوٹ سکتا ہے ■■

نیویارک ٹائمز ۷ فروری ۱۹۷۹ء

شہید بھٹو بھی انتقام لے سکتا ہے

کرسچین مونیٹر * ۷، فروری ۷۹ء

یہ پاکستان کے بارے میں بھی فیصلہ ہوگا

جب تک کہ صدر ضیاء الحق انہیں معاف نہ کریں یا رحم کی درخواست منظور نہ کریں، پاکستان کے سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کا پھانسی پانا طے ہے۔ ملک کے سپریم کورٹ نے ایک سیاسی قتل کے اقدام سے ان کے تعلق کی بناء پر انہیں دی جانے والی سزائے موت کے خلاف بھٹو کی اپیل مسترد کر دی ہے اور مسٹر بھٹو اپنے خاندان کو بقیہ مختصر رعایتی مدت میں رحم کی درخواست کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔

مسٹر بھٹو کے جرم کے عوامل و عواقب میں گئے بغیر حقیقت یہ ہے کہ ایک فوجی بغاوت کے ذریعے انہیں معزول کرنے والے شخص جنرل ضیاء کے پاس رحم کرنے کا آئینی اختیار ہے اور اس معاملے میں انہیں اسے استعمال کرنا چاہیئے۔ درست کہ جنرل ضیاء نے پہلے ہی یہ نشاندہی کر دی ہے کہ وہ عدالتی فیصلے کی پابندی کریں گے، جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی صدارتی مداخلت نہیں ہوگی لیکن بھٹو کا معاملہ ایک خاص معاملہ ہے جو خصوصی غور و خوض کا متقاضی ہے۔

پاکستان اور اس کے رہنماؤں کے لئے مسئلہ یہ ہے کہ متنازعہ سابق صدر کو پھانسی دینے سے وہ شہید بن جائیں گے اس سے اس اتحاد اور سیاسی استحکام کو فروغ دینے میں کوئی مدد نہیں ملے گی جس کی پاکستان کو فوری ضرورت ہے۔ اس کے باوجود، اگر مسٹر بھٹو کو پھانسی نہیں دی جاتی تو بجا طور پر یہ نشاندہی کی جا سکتی ہے کہ جیل میں رہتے ہوئے بھی وہ پاکستان کی سیاست میں ایک مؤثر طاقت بنے رہیں گے، ان کے کئی پیروکاروں کے لئے ایک نقطۂ اتحاد اور قابل قیاس طور پر وہ کسی روز واپس برسر اقتدار آ سکتے ہیں۔ یہ ایک ایسا نقطہ ہے جسے موجودہ فوجی حکومت نظر انداز نہیں کر سکتی۔

یقیناً بھٹو کا المیہ یہ ہے کہ مسند اقتدار تک ان کی ترقی کے زمانے میں ان کی بےرحمی اور غرور نے شہرت پائی۔ ملک کے اندر اور باہر کئی ناقدین نے یہ محسوس کیا کہ انہوں نے اور ان کی پارٹی نے مارچ ۱۹۷۷ء میں انتخابات اتنی بھاری اکثریت سے جیتے کہ وہ بظاہر معقول نظر نہیں آتے۔ مگر بعض مغربی قانون داں ان کے مقدمے کی کارروائی پر تنقید کرتے رہے ہیں اور یہ محسوس کرتے ہیں کہ بھٹو کے خلاف الزامات ان کی (مغربی) عدالتوں میں برقرار نہیں رہ سکتے تھے۔ مختصر یہ کہ بھٹو کا انجام ان کے اپنے ملک اور غیر ممالک میں شدید جذبات کو ہوا دیتا ہے۔

قانون کی خلاف ورزی کرنے والے اپنے شہریوں کے بارے خود فیصلہ کرنے کے پاکستان کے حق پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن ایک اعتبار سے اس معاملے میں فیصلہ پاکستان کے بارے میں بھی ایک فیصلہ ہوگا۔ لندن میں مرکز رکھنے والی ایمنسٹی انٹرنیشنل پہلے ہی صدر ضیاء سے بھٹو کی جاں بخشی کے لئے اپیل کر چکی ہے۔ دوسرے کئی لوگ، اس اخبار سمیت، جو سزائے موت کے مخالف ہیں وہ بھی یہ محسوس کرتے ہیں کہ اگر رحم کیا جائے تو انصاف کے تقاضوں کی بہتر طور پر تکمیل ہوگی۔ ایک پھانسی چڑھے بھٹو سے سیاسی انتقام کے برسوں کی بہت زیادہ صدائیں آتی ہیں۔ اس لئے بہتر ہے کہ اسے پیچھے چھوڑ دیا جائے۔ ایک زندہ بھٹو پاکستانیوں کے لئے سیاسی اقتدار کے غلط استعمال کے خطرات اور قیادت کی تبدیلی کو روبہ عمل لانے کے لئے پرامن طریقوں کی تلاش کی فوری ضرورت کو شدت کے ساتھ یاد دلاتا رہے گا۔

*

پاکستان کا بحران

واشنگٹن پوسٹ

سوویت یونین کی طویل ایشیائی سرحد پر واقع ممالک ایران اور ترکی (افغانستان خصوصی حیثیت کا حامل ہے) کے بعد پاکستان تازہ ترین ملک ہے جس کو ایسی داخلی گڑبڑ کا سامنا ہو گا جو جغرافیائی سیاسی لرزے پیدا کرے گی۔ ان کی امتیازی خصوصیات نے قطع نظر یہ تینوں (ممالک) مغربی مزاج رکھنے والے مقامات تھے جن کی جدیدیت کے لئے جدوجہد نے عوامی توقعات کو ابھارا تھا۔ سماجی اور ثقافتی اکھاڑ پچھاڑ کا سبب بنی تھی اور ایسے اسلامی رجحانات کے احیاء کے لئے نقطۂ آغاز فراہم کیا تھا جو ملک کے مستقبل پر سایہ ڈالیں گے۔ پاکستان کو اپنے مشرقی بازو (اب بنگلہ دیش) سے محرومی کے سانحے کو بھگتنا پڑا تھا اور اس کے بعد کے سیاسی اثرات کے ساتھ ساتھ اب اس بحران سے دوچار ہے جس سے اس کے وجود کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔

صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے ۱۹۷۷ء میں فوجی بغاوت کے ذریعے منتخب صدر (درحقیقت وزیر اعظم) ذوالفقار علی بھٹو کو معزول کیا اور ایک سیاسی حریف کے قتل کا حکم دینے کی بنا پر ان پر مقدمہ چلایا۔ سپریم کورٹ نے مقدمے کی سماعت کرنے والی عدالت کے مجرم قرار دینے کے فیصلے کی توثیق کر دی ہے اور جنرل ضیاء پر لازم ہو گیا ہے کہ وہ فیصلہ کریں کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ جنرل ضیاء میں مسٹر بھٹو کے دونوں جواز دل کی کمی ہے۔ ایک تو ان کا منتخب ہونا، دوسرے ان کی مقبولیت گو کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اسلامی لہر پر سوار ہو کر موخر الذکر (مقبولیت) کی پابجائی کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ان کے سامنے ایک مسئلہ ہے اگر وہ مسٹر بھٹو کو پھانسی دیتے ہیں تو سیاستدانوں کا حلقہ ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کر سکتا ہے اگر وہ معافی دیتے ہیں تو مسٹر بھٹو جو اتنے ہی منتقم مزاج ہیں جس قدر کہ وہ ذہین ہیں۔ ایسی مہم کو آگ دکھا سکتے ہیں جو یہی اثر ڈالے۔

پرانے دوست کی حیثیت سے امریکہ پاکستان کی سالمیت میں گہری دلچسپی رکھتا ہے۔ خاص طور پر ایسی صورت میں جبکہ بعض دوسرے امریکہ کے حامی قلعے ٹوٹتے معلوم ہوتے ہیں۔ کئی دعویداروں کے ہوتے ہوئے بھی کارٹر نے اتنی اقتصادی اور فوجی امداد فراہم کی ہے جتنی کہ وہ کر سکتے تھے گو کہ یہ اتنی کافی نہیں ہے کہ پاکستان یہ محسوس کرے کہ وہ اس کی ترقی اور تحفظ میں اسی قدر مخلص ہیں جس قدر کہ ماضی میں ری پبلکن صدر رہے ہیں۔ بھٹو بحران میں مسٹر کارٹر کو ایسا رویہ تلاش کرنا تھا جو اس ملک کی روایتی دوستی، استحکام کے لئے اس کی فکر مندی اور اس کی انسان دوستی کے تقاضوں کی تکمیل کر سکے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آخرکار انہوں نے جنرل ضیاء کو جو مشورہ دیا ہے اس کا محرک آخری عنصر (انسان دوستی) بنا ہے۔ انہوں نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ معافی کا فیصلہ ہر جگہ کے صحیح فکر رکھنے والے لوگوں کے ان کے لئے (ضیاء کیلئے) احترام کا باعث ہو گا۔

ہم نے اس تجویز کو نہ صرف سرپرستانہ بلکہ بڑی حد تک منفی اثرات کا حامل پایا۔ اندیشہ یہ ہے کہ اسے ایسے وقت میں پاکستان کے داخلی معاملات میں مشفقانہ مداخلت سمجھا جاتا ہے جبکہ جنرل ضیاء امریکہ سے اس سے بالکل مختلف کسی اور چیز کے متمنی ہیں۔ ظاہر ہے کہ جنرل ضیاء کو جس بات کی زیادہ فکر ہے وہ انتظامیہ کا وہ مجموعی رویہ ہے جو وہ اس علاقے میں اختیار کرے گی۔ گڑبڑ کو مدنظر رکھتے ہوئے انہوں نے ملتجیانہ انداز میں مطالبہ کیا کہ مسٹر کارٹر "ایک بڑی طاقت کے صدر کی حیثیت سے عمل کریں"۔ سیاق و سباق میں واضح طور پر ان کا مطلب یہ تھا کہ امریکہ کو اپنے دوستوں کی اور زیادہ مستحکم انداز میں معاونت کرنی چاہیئے۔ انتظامیہ مقامی اور علاقائی سطح پر، مختلف طریقوں سے ایسا کرنے کی کوشش کر رہی ہے لیکن پاکستان کو جو امداد دی جا رہی ہے آیا وہ اس پر منڈلانے والے طوفان میں نمایاں کمی کر سکے گی یا نہیں۔ بدقسمتی سے، اب بھی ایک سوال کی صورت میں ہے۔

ہماری پالیسی ابتدا سے ہی یہ رہی ہے کہ ہم مملکتِ پاکستان کی خیر خواہی کو اپنے سیاسی ایمان کا ایک اہم ستون تصور کرنے کے باوجود پاکستان کی اندرونی سیاسی کشمکش میں غیر جانبدار رہیں لیکن جب بھی مملکت پاکستان کی بقا یا اس کے مستقبل کے بارے میں کوئی مسئلہ کھڑا ہوا ہم نے اس بارے میں قلم اٹھایا اور زبان کھولی۔ اور اربابِ اقتدار کی ناراضگی کی پرواہ کئے بغیر اپنے جذبات اور نکتہ نظر کا برملا اظہار کیا۔

آج بھٹو صاحب کا مسئلہ ہے اگر یہ مسئلہ صرف ایک شخص کی زندگی یا موت سے تعلق رکھتا تو ممکن ہے ہم خاموش رہتے۔ کیونکہ بحیثیت ایک انسان بھٹو صاحب کو کسی نہ کسی دن مرنا ہے کل نہ سہی آج سہی۔ ہم ایک حلقے کے اس دعوے کو انتہائی احمقانہ تصور کرتے ہیں کہ بھٹو کے بغیر پاکستان زندہ نہیں رہ سکتا۔ ہم ان لوگوں کی بھی مذمت کرتے ہیں جو یہ دھمکیاں دیتے ہیں کہ اگر بھٹو کو پھانسی دی گئی تو ہم پاکستان کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے لیکن بھٹو صاحب کو پھانسی دینے سے پاکستان کے مستقبل کے لئے جو خطرے پیدا ہو سکتے ہیں ان سے چشم پوشی کرنا بھی ہمارے بس سے باہر ہے۔

ایک خطرہ یہ ہے کہ اگر بھٹو کو پھانسی دی گئی، تو آئندہ کے لئے ایک مثال قائم ہو جائے گی اور مختلف طالع آزما بھٹو صاحب کی مثال پیش کر کے اپنے پیشروؤں کو ٹھکانے لگانے کا سلسلہ شروع کر دیں گے اور یہ سلسلہ پاکستان کی بقا اور سیاسی استحکام کے لئے ایک انتہائی شدید خطرہ ثابت ہو سکتا ہے۔ دوسرا خطرہ یہ ہے کہ آج کی دنیا میں بین الاقوامی رائے عامہ کو نظر انداز کرنا مہلک ثابت ہو سکتا ہے اس غلطی کا خمیازہ پاکستان ایک بار پہلے بھی مشرقی پاکستان سے ہاتھ دھو بیٹھنے اور ایک ذلت آمیز شکست کی شکل میں بھگت چکا ہے۔ دنیا کے تقریباً تمام ممالک کے سربراہوں نے جن میں پاکستان کے عظیم اور اچھے برے وقت میں کام آنے والے دوست ممالک بھی شامل ہیں بھٹو صاحب کو سزائے موت نہ دینے کی اپیل کی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس طرح کی بین الاقوامی رائے عامہ کو نظر انداز کرنا پاکستان کے لئے انتہائی نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔

ہم نہ تو بھٹو صاحب کی وکالت کرتے ہیں نہ ہی ان سے کوئی عناد ہے۔ ہم نے آج سے ڈھائی سال پہلے جب بھٹو صاحب کا ستارہ عروج پر تھا لکھا تھا کہ بھٹو صاحب کا روشن پہلو انتہائی روشن ہے اور تاریک پہلو انتہائی تاریک، ہم آج بھی یہی کہتے ہیں لیکن مملکتِ پاکستان کا مفاد ہمیں دل سے عزیز ہے اور اسی بنا پر ہم پاکستان کے موجودہ حکمرانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ بھٹو صاحب کو پھانسی دی جانے کے ممکنہ نتائج کو نظر انداز نہ کریں۔

بین الاقوامی اپیلوں کو نظر انداز کرنے سے پاکستان کو انتہائی نقصان پہنچ سکتا ہے

بھٹو یا پاکستان

وائس آف کشمیر انٹرنیشنل لندن کا اداریہ ۵ فروری ۷۹ء

یہ مقدمہ ایک سیاسی ڈائنا میٹ بھی ہے

بھٹو ہی پاکستان کے مقبول ترین رہنما ہیں

***

ڈیلی آبزرور لندن
۱۱ فروری ۱۹۷۹ء کا تبصرہ

جیسے جیسے یہ ملک اپنے سابق وزیر اعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دینے کے قریب ہوتا جا رہا ہے فوجی سپاہی اور خود پوش پولیس اس پرانے فوجی چھاؤنی والے شہر کے ہر اہم مقام کی پہرہ داری کر رہی ہے۔

تمام بڑے اور چھوٹے شہروں میں سخت حفاظتی احتیاطی اقدامات نے پچھلے ہفتے سپریم کورٹ کے ڈرامائی غیر متفقہ فیصلے پر ردِ عمل کو کم سے کم سطح پر رکھا ہے۔ لاہور میں بم پھینکنے کے ایک واقعے کے علاوہ صرف چھوٹے چھوٹے مظاہرے ہوئے جنہیں فوری طور پر منتشر کر دیا گیا۔ گذشتہ روز مارشل لاء حکام اپنی حکمت عملی کے اگلے مرحلے "گشت" میں اس وقت داخل ہو گئے جب پاکستان کے فوجی حکمران جنرل ضیاالحق نے اسلامی اصلاحات کے اس سلسلے کا اعلان کیا جس کا کافی عرصہ سے انتظار کیا جا رہا تھا۔ یہ اور اسی دن منعقد ہونے والے محمدؐ کے یوم ولادت کی سالگرہ کے جشن سے توقع کی جا رہی تھی کہ وہ بھٹو کی حمایت میں مزید کسی ردِ عمل کو ٹھنڈا کر دیں گے۔

۱۹ ماہ قبل ایک پُرامن فوجی بغاوت کے ذریعے بھٹو کو اقتدار سے محروم کرنے کے بعد اب سابق رہنما کی زندگی دوسری بار جنرل ضیا کے ہاتھ میں ہے۔ اگر وہ نظر ثانی کی درخواست جو مسٹر بھٹو کے وکلاء نے پیش کر دی ہے ناکام ہو جاتی ہے جیسے کہ انہیں توقع ہے کہ وہ ناکام ہو جائے گی، اگر جنرل ضیا سزائے موت میں تخفیف نہیں کرتے یا رحم کی سہولت نہیں دیتے، جس کا امکان معلوم ہوتا ہے، تو ہو سکتا ہے کہ مسٹر بھٹو کی زندگی کے صرف چند روز اور باقی ہوں۔

پاکستان میں روزانہ ۲ سے زائد کے شرح سے لوگوں کو پھانسی دی جاتی ہے لیکن ایسی کوئی قابلِ اعتبار نظیر موجود نہیں ہے جس میں ایک اختلافی فیصلے کی بنا پر کوئی پھانسی دی گئی ہو۔ یہ مقدمہ ایک سیاسی ڈائنا مائیٹ بھی ہے۔ ۲۰ وجوہات کی بنا پر اس میں مسٹر بھٹو ملوث ہونے کی وجہ سے اور عدالت میں اختلاف کی نوعیت کی وجہ سے جس کے بارے میں بڑے پیمانے پر یہ رائے قائم کی گئی ہے کہ یہ ملک کے اندر موجود گہرے صوبائی اختلافات کی عکاسی کرتی ہے وہ ہم جج جنہوں نے سزائے موت کی توثیق کی ہے ان کا تعلق غلبہ رکھنے والے پنجاب سے ہے جب کہ ۳ وہ جج جو اس نتیجے پر پہنچے کہ مسٹر بھٹو کو رہا کیا جانا چاہیئے وہ سب کے سب غیر پنجابی ہیں۔ مسٹر بھٹو کا تعلق جنوبی صوبے سندھ سے ہے۔

حکومت نے اس تعبیر پر غصے کے ردِ عمل کا اظہار کیا ہے۔ کابینہ کے ایک وزیر نے کہا کہ مغربی ذرائع ابلاغ نے پاکستانی عوام کی تذلیل کی ہے اور عدلیہ کی توہین کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اختلاف کرنے والے ایک جج متنازعہ تعبیر سے اختلاف کرتے ہیں لیکن یہ مسٹر بھٹو کے حامیوں کے لئے کھدائی کرنے کے لئے واضح طور پر ایک امکانات سے بھرپور شگاف ہے اور عوامی بے چینی کی دوسری وجوہات میں اس کا اضافہ کیا جا سکتا ہے۔

ان میں سب سے زیادہ اہم انتخابات منعقد کرنے میں ناکامی ہے۔ جنرل ضیا اس سال انتخابات کرانے کا وعدہ کر چکے ہیں لیکن اس سے قبل وہ ایسے وعدے توڑ چکے ہیں۔ وسیع پیمانے پر یقین کیا جاتا ہے کہ اب بھی پاکستان میں مسٹر بھٹو وہ واحد رہنما ہیں جنہیں قومی پیمانے پر حمایت حاصل ہے اور اگر اس وقت انتخابات کرائے گئے تو وہ جیت جائیں گے۔

بھٹو کی موت افغانستان، ہندوستان اور بنگلہ دیش کے استحکام کیلئے خطرہ بن سکتی ہے

ڈیلی آبزرور ۱۸ فروری ۷۹ء
کا اداریہ

****

مسٹر بھٹو پاکستان کے وزیر اعظم کی حیثیت سے کم از کم ایک سیاسی مخالف کے قتل کا بندوبست کرنے سے لے کر ہزاروں لوگوں کو ناقابل بیان اذیت ناک حالات میں نظر بند رکھنے کے بہیمانہ جرائم کے مرتکب تھے اس کے باوجود پاکستان کے فوجی حکمران انہیں معافی دینے سے انکار کر کے فاش ترین غلطی کا ارتکاب کریں گے۔

بھٹو کو پھانسی دینا انہیں ان لاکھوں پاکستانیوں کی نظر میں شہید بنانا ہوگا جو انہیں اب بھی غریبوں کا علمبردار تصور کرتے ہیں۔ اس سے وہ ملک اور زیادہ تقسیم کا شکار ہوگا جو پہلے ہی علاقائی اور دوسرے تنازعوں میں خطرناک حد تک بٹا ہوا ہے۔

یہ ایسا آخری اقدام بھی ثابت ہو سکتا ہے جو پاکستان کے کمزور اتحاد کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ اس کا ٹوٹنا صرف اس کے عوام کے لئے مصائب میں اضافے سے بھی زیادہ اثر ڈالے گا۔ یہ افغانستان سے ہندوستان اور بنگلہ دیش تک کے پورے علاقے کے استحکام کے لئے بھی ایک بڑا خطرہ بن سکتا ہے۔

مسٹر بھٹو جب تک زندہ ہیں ایک ذمہ داری بنے رہیں گے۔ مر جانے کی صورت میں وہ اس سے بھی بھاری ذمہ داری ہوں گے۔

بھٹو کی جاں بخشی کیجئے، پاکستان کو بچایئے

جنرل ضیاء کے نام حسین نقی، اطہر عباس اور خالد چوہدری کا تار

صدر جنرل محمد ضیاء الحق

بتوسط سپرنٹنڈنٹ کیمپ جیل۔ لاہور

ہم محصور زنداں صحافی بچے کھچے پاکستان کے جغرافیائی اتحاد کے نام پر قومی مفاہمت کے حصول کی لازمی شرط کی تکمیل کے لئے ہمارے مشترکہ صوبے پنجاب، جہاں ہم رہتے ہیں اور بڑی مشکل سے حاصل کردہ ارض وطن، پاکستان کو بین الاقوامی تمسخر اور استہزا سے بچانے کے لئے آپ سے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی جاں بخشی کی استدعا کرتے ہیں، تاکہ صف بندی کی شدت کم ہو، پاکستان کو متحد اور مستحکم کیا جائے اور اس قوم میں یک جہتی پیدا کی جائے جو ایک بار پھر مارچ ۱۹۷۷ء سے شدید بحران میں مبتلا ہے، جو ہو سکتا ہے کہ دوسری صورت میں اس کے غیر فوجی منافقانہ میں ختم ہونے کے امکان ہے۔

ہماری رحم کی درخواست کی بنیاد جماعتی ملحوظات پر نہیں ہے مشرقی پاکستان کے بحران اور ان کے برسر اقتدار آنے کے بعد ہر دو زمانوں میں ہم بھی مسٹر بھٹو کے سخت ناقدین میں شامل رہے ہیں۔ مسٹر بھٹو کی زندگی کے لئے آپ سے درخواست کرنے کے ہمارے محرک جذبے کی بنیاد خالصتاً وطن دوستی کے تقاضوں اور مشورہ دینے کی پیشہ ورانہ ذمہ داری ہے۔ ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کے بحران کے دوران بھی ہم نے یہی کیا تھا لیکن اس پر توجہ نہیں دی گئی قوم تقسیم ہو گئی اور ملک ٹکڑے ہو گیا۔ ہم التجا کرتے ہیں کہ ہماری بدنصیب قوم کے لئے دوبارہ ایسے ہی انجام کو دعوت نہ دی جائے۔

بھٹو کی جان بخشی کیجئے۔ پاکستان کو بچایئے۔

مورخہ ۱۳ فروری ۱۹۷۹ء

۱: حسین نقی
سابق جنرل سکریٹری پنجاب یونین آف جرنلسٹس

۲: اطہر عباس
صدر۔ لاہور پریس کلب

۳: خالد چوہدری
سابق نائب صدر۔
پنجاب یونین آف جرنلسٹس

قُم باذنی

جوہر میر

قُم باذنی
اٹھو جاگ اٹھو
اے گھروں کے مقابر میں خوابیدہ لوگو اُٹھو
اے ضمیروں میں مکفون بوسیدہ لوگو اُٹھو
حشر برپا ہُوا
قُم باذنی
اُٹھو، جاگ اُٹھو

○

اپنے قرطاسِ اعمال لے کر مقابر سے باہر نکل آؤ تم
اپنی سب نیکیوں، ساری محرومیوں کے دفاتر اٹھا کر نکل آؤ تم
اس سے پہلے کہ تم پر اُمڈ آئے دوزخ کی سیّال آتش بجاں تشنگی
اس سے پہلے کہ سب جنتیں بیوگی کے الم میں سیہ پوش ہوں
اس سے پہلے کہ تم اپنی ماؤں کے ناموں سے پہچانے جاؤ
اس سے پہلے کہ بجھنے لگیں وصلِ خورشید کی ساعتیں
العطش العطش کے رجز پر سرابوں سے باہر نکل آؤ تم

○

قُم باذنی
اُٹھو، جاگ اُٹھو
عصرِ عدل قائم ہوا
وقت دائم ہوا

برگزیدہ فرشتے سزا و جزا کے ترازو اٹھائے ہوئے کب سے ایستادہ ہیں
منتظر ہیں کہ قبروں سے خوابیدہ بوسیدہ لوگ اُٹھ کے آئیں
اپنے حصّے کا انصاف لیں
اپنی نا کتخدا جنتیں اور کنوارے جہنم بسائیں
کہ سارے فرشتے خدا کی بزرگی کے اثبات کے گیت گائیں
اٹھو، جاگ اٹھو

○

اے گھروں کے مقابر میں خوابیدہ بوسیدہ لوگوں سنو
میری آواز، میری نہیں، صورِ ہابیل ہے۔
وہ جو مقتولِ قابیل ہے
وہ جسے آسمانی کتابوں نے مقتول و مظلومِ اوّل کہا
لوٹ آیا ہے جو اپنے قابیل کو ڈھونڈنے
اور سنو،
اے گھروں کے مقابر میں خوابیدہ بوسیدہ لوگو سنو
اس کا کہنا ہے جتنے بھی ہابیل ہیں جاگ اٹھیں
سارے مقتول، مظلوم ہابیل اب جاگ اٹھیں
جس طرح غول در غول افغانیاں جاگ اُٹھے
جس طرح خیل در خیل ایرانیاں جاگ اُٹھے
تم بھی اب جاگ اٹھو
اور پھر کرۂ ارض پر جتنے قابیل ہیں ان سے نفرت کرو
اُن پہ لعنت کرو
اور سنو، میری آواز، میری نہیں صُورِ ہابیل ہے
اس کا کہنا ہے جتنے شکم سیر ہیں سارے قابیل ہیں
سارے قابیل رزقِ جہنم ہیں اب
سارے ہابیل اب جنتوں کے سزاوار ہیں
عصرِ حاضر کا انصاف ہی صورِ ہابیل ہے
صورِ ہابیل ہی میرے گیتوں کی انجیل ہے
اے گھروں کے مقابر میں خوابیدہ لوگو اٹھو
اے ضمیروں میں مکفون بوسیدہ لوگو اٹھو
قُمِ باذنی
اٹھو۔ جاگ اٹھو
اپنے قابیل کو ظلم اور جبر کے تخت سے کھینچ لو

این ڈی پی سے صلح ہو سکتی ہے

"رسیا اور چڑا" لیگیوں سے نہیں' خان قیوم

سرحد

خلیل خان خٹک

انہوں نے ۵ے۹اء کے کونسلروں کو غیر آئینی قرار دیدیا

صوبہ سرحد میں اس ہفتے کافی گہما گہمی رہی ایک طرف پاکستان سوشلسٹ پارٹی کے صدر جناب سی آر اسلم سیکرٹری جنرل جناب عابد حسین منٹو اور مشہور شاعر حبیب جالب نے تیسری سوشلسٹ ورکرز کانفرنس میں شرکت کے لئے پشاور کا دورہ کیا

اور دوسری طرف خان اعظم خان عبدالقیوم خان مختلف اضلاع کے دورے کے سلسلے میں پشاور پہنچے جماعت اسلامی کے قیم (سیکرٹری جنرل) قاضی حسین احمد نے بھی بارہ دن کے لیے صوبہ سرحد پر یلغار شروع کی۔ پاکستان قومی اتحاد کے صدر مولانا مفتی محمود نے بھی ایک دن کے لیے پشاور کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازا جبکہ "خان اعظم" کے دورے کے اثرات زائل کرنے کے لیے مسلم لیگ چٹھہ گروپ بلکہ بقول پیر پگاڑا ٹھگ گروپ کے وزراء سابق پیدل سپاہی چوہدری ظہور الٰہی اور "ندائے ملت" خان فدا محمد خان نے کوہاٹ کا دورہ کیا اور وہاں حاجی عمر بخش اعوان صدر ٹھگ لیگ کے حجرے میں پرمٹوں، راشن ڈپوؤں پلاٹوں اور ایجنسیوں کے حصول کے لیے کوشاں اور خواہاں لوگوں کے ایک اجتماع سے خطاب کیا۔

تحریک استقلال کے ایئر مارشل (ریٹائرڈ) اصغر خان بھی مارچ کے پہلے ہفتے سے صوبہ سرحد آنے والے ہیں اور مردان سے ٹیک آف کرتے ہوئے ڈیرہ اسماعیل خان میں "لینڈ" کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں جہاں بدنام زمانہ سابق تحصیلدار سردار عنایت اللہ خان گنڈاپور تحریک استقلال میں اپنی شمولیت کا اعلان کریں گے اور اسی طرح ڈیرہ اسماعیل خان کے عوام کیلئے جو ایک ظالم اور سفاک جاگیردار ہونے کی وجہ سے موصوف سے شدید نفرت کرتے ہیں اس پارٹی کے دروازے مستقلاً بند کر دیں گے۔

قیوم خان نے اپنے دورے میں پشاور کے علاوہ مردان کوہاٹ بڑانگ وغیرہ میں اجتماعات سے خطاب کیا انہوں نے جہاں ایک طرف پیر پگاڑا اور محمد حسین چٹھہ کے خوب لتے لئے اور ورکروں سے آف دی ریکارڈ گفتگو میں پگاڑا اور چٹھہ کو گالیوں سے نوازتے ہوئے یہ تک کہہ ڈالا کہ این ڈی پی سے ہماری صلح ہو سکتی ہے لیکن مسلم لیگ کے ان دو گروپوں کے ساتھ کوئی مفاہمت ممکن نہیں، خان اعظم نے جو ان دنوں معمول سے کچھ زیادہ تن و توش کے حامل دکھائی دیتے ہیں پیر پگاڑا کو ان کے گھوڑ دوڑ کے شغلہ کے حوالے سے "رسیا" اور محمد حسین چٹھہ کو "چڑا" کے خطاب عطا کیے موصوف نے جو اس وقت قائد اعظم کی جانشینی کے مستحقین میں خود کو واحد امیدوار قرار دیتے ہیں اعلان کیا کہ مسلم لیگ کے ۱۹۷۵ء کے کونسلروں کا مجوزہ اجلاس بالکل غیر آئینی ہے کیونکہ ۵ء کے تمام کونسلر غیر آئینی ہیں اور صرف ان کی ذات لاشریک ہی مسلم لیگ کی واحد منتخب کونسلر ہے جسے سردار عبدالرب نشتر کے انتقال کے بعد صدر مسلم لیگ کے عہدہ جلیلہ کے لیے

منتخب کیا گیا تھا اس کے بعد سے مسلم لیگ کی کونسل کا کوئی انتخاب نہیں ہوا۔ لہٰذا ملک محمد قاسم، ایس ایم ظفر، رانا محمد اشرف یا خونزادہ بہرہ ور سعید کونسلروں کی جو بھی فہرست جاری کرتے ہیں اس کی کوئی قانونی اور آئینی حیثیت نہیں ہے موصوف کا ارشاد ہے کہ اگر آئین کے مطابق ہی چلنا ہے تو میں اب بھی اصلی مسلم لیگ کا واحد منتخب صدر ہوں لہٰذا پیر پگاڑا اور محمد حسین چٹھہ دونوں کو چاہیئے کہ میرے حق میں اپنے اپنے عہدوں سے دستبردار ہو جائیں۔

پگاڑا اور چٹھہ گروپوں سے آنکھ مچولی کھیلنے کے ساتھ ساتھ خان موصوف جنہیں اقتدار سے الگ ہو کر ہمیشہ "معافریا" کا موذی مرض لاحق ہو جاتا ہے فوجی حکمرانوں کے آنکھ مٹکا کرنے میں بھی مصروف ہیں تاکہ حکمرانوں کو یہ باور کراتے ہوئے کہ صوبہ سرحد میں وہ واحد شخصیت ہیں جو فوجی حکومت کا "بازوئے شمشیر زن" ثابت ہو سکتی ہے اقتدار کے گھوڑے پر سواری کر سکیں موصوف نے ان دنوں جنرل ضیاء کی ہر ایسی بات کی تائید اور اس کے لئے لوگوں کو ہموار کرنے کی ذمہ داری اپنے سر لے رکھی ہے جس کی دوسرے سیاستدان اور سیاسی پارٹیاں اتفاق رائے سے مخالفت کریں مثال کے طور پر سب کی متفقہ رائے ہے کہ پاکستان کے وفاق کے لیے صدارتی نظام قطعاً موزوں نہیں اس نظام میں چھوٹے صوبوں پر اکثریتی صوبے کا دائمی تسلط رہنے کی وجہ سے بدگمانیاں جنم لیتی ہیں جو بالآخر تباہ کن نتائج کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہیں ایوب خان نے صدارتی نظام رائج کر کے تمام سیاسی اختیارات اپنی ذات میں مجتمع کر لیئے جسے مغربی پاکستان کی طرف سے مشرقی پاکستان کے استحصال کا نام دیا گیا اور بالآخر ملک کی لٹیا خلیج بنگال میں ڈبو دی۔ سرحد کے عوام خان عبدالقیوم خان سے یہ سوال کرتے ہیں کہ اے خان تم خود تو عالم بقا کی طرف کوچ کی تیاری کر رہے ہو واضح رہے کہ موصوف کی عمر ۸۰ سال ہو چکی ہے۔ لیکن کیا رخصت ہونے سے پہلے بچے کھچے پاکستان کا بھی وہی حشر کرنا چاہتے ہو جو تمہاری اور رسوائے زمانہ البدر اور الشمس تنظیموں کی تخریبی سرگرمیوں اور مسلح غنڈہ گردی کی بدولت متحدہ پاکستان کا ہو چکا ہے کیا تم صدارتی نظام کی حمایت کر کے چھوٹے صوبوں میں اکثریتی صوبے کے خلاف نفرت کے بیج نہیں بو رہے ہو لوگ خان قیوم سے دست بدستہ عرض کرتے ہیں کہ خدارا باقی ماندہ پاکستان کو اپنی اقتدار پرستی کی بھینٹ مت چڑھاؤ ایک گھاگ اور جغادری سیاستدان ہونے کے ناطے تمہارا تو فرض ہے کہ فوجی حکمرانوں کو جو فنِ سیاست سے نابلد اور فنِ حکمرانی سے بے بہرہ ہوتے ہیں اور پوری قوم کو فوج کا ایک بریگیڈ سمجھ کر لیفٹ رائٹ کرانے لگتے ہیں، صائب مشورے دو اور قائد اعظم سے اپنے قرب اور رفاقت کے حوالے سے انہیں یہ یاد دلاؤ کہ قائد اعظم نے یہ پاکستان اس لیے نہیں بنایا تھا کہ اسے ہر پانچ سال بعد فوجی طالع آزما نت نئے تجربات کے لیے لیبارٹری بنا ڈالیں۔ آخر خان قیوم جنرل ضیاء سے یہ کیوں نہیں کہہ سکتے کہ جس طرح خان قیوم، جنرل قیوم یا جسٹس قیوم یا

پرمٹ، راشن ڈپو اور پلاٹ مانگنے والوں سے مارشل لاء کے وزراء کا خطاب

سی ایس پی قیوم نہیں بن سکتا یعنی جس طرح سیاستدان فوج عدلیہ یا انتظامیہ کا کوئی منصب نہیں سنبھال سکتا اسی طرح ان شعبوں کے کسی آدمی کو بھی سیاست کے پھڈے میں ٹانگ اڑانے اور قوم کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلنے کا کوئی حق نہیں ہے اگرچہ جہاں تک عوام کا تعلق ہے وہ ۶۹-۱۹۶۸ء اور ۱۹۷۱ء میں طالع آزماؤں کو مسترد کر کے اپنے اس حق کا اظہار کر چکے ہیں لیکن ایک بار پھر وہ موقع ملنے پر اس حق کے مکرر اظہار اور موثر نفاذ کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔

پاکستان سوشلسٹ پارٹی کے زیر اہتمام پشاور میں جو

تیسری سوشلسٹ ورکرز کانفرنس منعقد ہوئی اس میں جناب سی آر اسلم اور جناب عابد حسن منٹو نے ۱۲ ربیع الاول کے اعلان کے حوالے سے اس بات پر شدید ناپسندیدگی ظاہر کی کہ رجعت پسند حکمران ٹولہ سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے مفادات کی حفاظت کے لیئے مذہب کا نام استعمال کر رہا ہے انہوں نے اس یقین کا اظہار کیا کہ سرمایہ داری جاگیرداری کے گلے سڑے نظام کو مذہب کے نام پر بچانے کی یہ آخری کوشش بھی ناکام ہو کر رہے گی کیونکہ وقت کی سوئی کو الٹا نہیں گھمایا جا سکتا کوئی طاقت پاکستان کے عوام کو اقتصادی و معاشی مساوات کی منزل کی جانب آگے بڑھنے سے نہیں روک سکتی سوشلسٹ رہنماؤں نے ملک کی زرعی اور شہری آبادی میں نچلے طبقے کی حالتِ زار کا خاص طور پر ذکر کیا اور اس امر پر افسوس ظاہر کیا کہ ان طبقات کے اقتصادی مسائل حل کرنے کے بجائے ان پر مذہب کے نام پر مزید ٹیکس لگا دیئے گئے ہیں جبکہ دوسری طرف سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور دوسرے استحصالی طبقات کو نہ صرف یہ کہ اپنی لوٹ کھسوٹ بلا روک ٹوک جاری رکھنے کی اجازت ہے بلکہ انہیں ان ٹیکسوں سے مستثنیٰ رکھتے ہوئے رضاکارانہ ادائیگی کے لیئے کہا گیا ہے جو موجودہ حکمران ٹولے کے رجعت پرستانہ عزائم اور عوام دشمن رویے کا منہ بولتا ثبوت ہے سوشلسٹ ورکرز کانفرنس میں مزدوروں اور کسانوں کی توجہ ملکی حالات کی طرف دلاتے ہوئے انہیں مشورہ دیا گیا کہ وہ اپنے مفادات کے تحفظ اور ملک میں حقیقی معنوں میں مزدور کسان راج کے قیام کے لئے اپنی سیاست کو فروغ دیں اور کسی سرمایہ دار جاگیردار کی قیادت کے محتاج نہ رہیں کانفرنس میں صوبائی صدر عبدالرزاق خان ایڈووکیٹ اور صوبائی جنرل سیکریٹری عبدالوحید ایڈووکیٹ سمیت صوبے بھر سے آئے ہوئے نمائندوں نے شرکت کی اور سماجی انقلاب برپا کرنے کے لئے گلی گلی اور گاؤں گاؤں عوام کو ترقی پسند نظریات سے آگاہ کرنے کا عہد کیا۔

جماعت اسلامی افغان بھگوڑوں کو اسلحہ سپلائی کر رہی ہے

سرحد میں 3 افغان سیاسی جماعتیں سرگرمِ عمل ہیں

پشاور میں
ترہ کی حکومت کے خلاف
پوسٹر اور کفر کے فتوے

انقلاب اپریل ۱۹۷۸ء کے بعد سے افغانستان کے انقلاب دشمن عناصر نے صوبہ سرحد پر یلغار کردی ہے۔ وہ "ہجرت" کر کے پاکستان آرہے ہیں۔ اور اکثریت پشاور میں مقیم ہے۔ اسی لئے پشاور شہر اور چھاؤنی میں ہر تیسرا چوتھا آدمی افغانی باشندہ نظر آتا ہے۔ خود چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاء الحق بیس ہزار افغان "مہاجرین" کی آمد کا اعتراف کر چکے ہیں۔ جب کہ بعض مبصرین "مہاجرین" کی تعداد پچاس ہزار سے بھی زائد بتاتے ہیں۔ یہ مہاجرین جو اپنے ساتھ مال و متاع کے ساتھ بھاری دولت بھی لائے ہیں۔ پشاور میں کرائے کے مکانات حاصل کر رہے ہیں۔ پشاور میں پہلے ہی مکانات کی قلت تھی اور شرح کرایہ زیادہ تھی۔ افغان مہاجرین کی آمد سے مکانات کے کرائے میں چار گنا اضافہ ہو گیا ہے۔ جس کے سبب پشاور کے لوگوں کے لئے سنگین دشواریاں پیدا ہو گئی ہیں۔ مالک مکانات اپنے پرانے کرایہ داروں کو چار گنا کرایہ ادا کرنے پر مجبور کر رہے ہیں۔

قطع نظر اس بات کے کہ افغان مہاجرین کی وجہ سے مقامی باشندوں کے مسائل بڑھ گئے ہیں، سب سے اہم یہ ہے کہ یہ مہاجرین افغانستان کی انقلابی حکومت کے خلاف پروپیگنڈہ کر رہے ہیں۔ اور ستم ظریفی یہ ہے کہ مارشل لاء انتظامیہ بالواسطہ طور پر ان لوگوں کی مدد کر رہی ہے۔ خصوصاً اقتدار میں شامل جماعت اسلامی، گذشتہ دنوں جماعت اسلامی کے سیکرٹری جنرل قاضی حسین احمد نے افغان مہاجرین کے لئے حکومت سے بھرپور امداد کا مطالبہ کیا تھا۔ یہ مہاجرین مذہب کے نام پر اپنے جذبات بھڑکا رہے ہیں اور ترہ کی حکومت کے خلاف پروپیگنڈہ کر رہے ہیں۔ انہیں جماعت اسلامی، جمعیت علمائے اسلام اور مذہبی مدارس کا تعاون حاصل ہے۔ جماعت نے اپنے "ماہرین" پروپیگنڈہ اور وسائل ان مہاجرین کے لئے وقف کر دیتے ہیں۔ آج کل پشاور اور اس کے نواحی علاقوں میں دیواروں پر ایسے سینکڑوں پوسٹر لگے ہوئے دکھائی دیتے ہیں جن میں افغانستان کے موجودہ صدر نور محمد ترہ کی سے لے کر افغان کابینہ کے تمام اراکین، انقلابی شوریٰ کے ممبروں اور "خلق پارٹی" پر کفر کے فتوے صادر کئے ہوئے ہیں۔ گذشتہ دنوں شہر کی دیواروں پر ایک خط نما پوسٹر دیکھنے میں آیا۔ جو دارالعلوم اکوڑہ خٹک کے مہتمم اور سابق رکن قومی اسمبلی مولانا عبدالحق (جمعیت علمائے اسلام مفتی گروپ) کے صاحبزادے مولانا سمیع الحق نے دارالعلوم کے ماہنامے "الحق" کے لیٹر پیڈ پر "مہاجرین" کے ایک وفد کو دیا تھا۔ یہ خط جنوبی اضلاع (جو جمعیت علمائے اسلام مفتی گروپ) کے زیر اثر ہیں، کے دارالعلوموں کے ناظموں کے نام تھا جس میں انہیں ہدایت کی گئی تھی کہ مذکورہ وفد دینی اور ملی فریضہ ادا کر رہا ہے۔ لادینیت اور سوشلزم کے خلاف جہاد کر رہا ہے۔ ان کی بھرپور امداد کی جائے۔ اس خط میں مولانا سمیع الحق جو ماہنامہ "الحق" کے مدیر بھی ہیں، کے دستخط موجود ہیں۔

افغان مہاجرین کے مذکورہ وفد نے اس خط کی ہزاروں کاپیاں طباعت کرائیں اور انہیں دیواروں پر چسپاں کر دیا۔

اس خط کے حاشیے میں مولانا مفتی محمود کا ایک بیان نقل کیا گیا ہے۔ جو روزنامہ مشرق میں افغان مہاجرین کی حمایت میں دیا گیا تھا۔ ان پوسٹروں سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے، کہ "مہاجرین" کس دیدہ دلیری سے سفارتی آداب اور پاکستان کے ملکی قوانین کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ اور وہ اعلانیہ پوسٹر اور پمفلٹ طباعت کرا کر پاکستان کے دیگر علاقوں اور افغانستان میں بھیج رہے ہیں۔ اور وہ یہ کچھ جماعت اسلامی اور جمعیت علمائے پاکستان کی حمایت کے بل بوتے پر کر رہے ہیں۔

اس وقت صوبہ سرحد میں جو افغان جماعتیں سرگرم عمل ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔

۱۔ حزب اسلامی (جماعت اسلامی)

۲۔ حزب نجاتِ ملی (قومی آزادی پسند جماعت)

۳۔ پیوا پالہ جھ (وطن پرست محاذ)

اور جو مشہور افغان لیڈر اس وقت پشاور میں بیٹھ کر ترہ کی حکومت کے خلاف پروپیگنڈہ کر رہے ہیں۔ ان میں لیبیا سے آئے ہوئے حزب اسلامی کے مفرور لیڈر صفت اللہ مجددی، کے علاوہ ہادی محمدی، مولوی حسین، گل بدین آفندی اور صداقت شامل ہیں۔ صفت اللہ مجددی

افغانستان کی حزبِ ملی کے ایک جانے پہچانے لیڈر ہیں۔ گذشتہ کئی برسوں سے افغانستان سے جاکر لیبیا میں پناہ گزین تھے۔ لیکن انقلاب اپریل ۷۸ء کے بعد جماعت اسلامی کی حمایت سے پاکستان آگئے۔ اور پشاور میں ڈیرے ڈال دیئے انہوں نے اپنی ایک شیڈو کابینہ بنا رکھی ہے۔ جس کے صدر وہ خود ہیں۔

آفندی حزب نجات ملی کے رہنما ہیں۔ اور افغانستان کے ان سود خور عناصر کے ترجمان ہیں جنہوں نے صدیوں تک وہاں کے عوام کا خون چوسا۔ وہ اپنا زورِ خطابت ان اصلاحات کی مذمت میں صرف کرتے ہیں، جن کے تحت ترہ کی حکومت نے سودی نظام کو ختم کر دیا ہے۔

صداقت ایک سابق افغان وزیر اعظم موسیٰ شفیق کا برادرِ نسبتی ہے۔ اس کا تعلق وطن پرست محاذ سے ہے یہ شاہ ظاہر شاہ کے زمانے میں افغان پارلیمنٹ کا رکن تھا۔ صداقت خود کو خدائی خدمتگار بتاتا تھا اور جب خان عبدالغفار خان ظاہر شاہ کے دور میں کابل میں خود ساختہ جلاوطنی اختیار کئے ہوئے تھے۔ تو صداقت عموماً ان کی خدمت میں حاضر رہتا تھا۔ اس وجہ سے اسے خدائی خدمت گاری کے حلقے میں بہت اہمیت دی جاتی تھی۔ اس کے برادرِ نسبتی موسیٰ شفیق نے اپنی وزارت عظمیٰ کے دور میں افغانستان کے بائیں بازو کے عناصر اور عوام دوست حلقوں پر بڑے مظالم کئے۔ انہیں قید و بند میں ڈالا۔ اور ان مظالم میں صداقت نے موسیٰ کا ساتھ دیا۔ چنانچہ انقلاب کے بعد صداقت کابل سے فرار ہو کر پشاور آگیا۔

صداقت کے ساتھ ایک اور صاحب بھی پشاور آئے ہیں جو خود کو "ننگ یوسفری" کہلواتے ہیں۔ ایک زمانے میں سوات سے فرار ہو کر افغانستان گئے تھے۔ اور پھر ظاہر شاہ کے دور میں افغان پارلیمنٹ کے رکن بھی بن گئے۔ ان کو بھی خان عبدالغفار خان اور ولی خان سے دوستی کا دعویٰ ہے۔ لیکن یہ وہی شخص ہیں جو ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات سے قبل ظاہر شاہ کی ہدایت پر پشاور آئے تھے۔ اور قیوم خان کو بارہ لاکھ روپے دیئے تھے۔ جب "پرچم اور خلق" کی حمایت سے سردار داؤد خان برسرِ اقتدار آئے تو اس کی حکومت نے "ننگ یوسفری" کو گرفتار کر لیا۔ الزامات لگائے جن کا یوسفری نے اعتراف کیا۔ چنانچہ انہیں ان کی جائیداد سے محروم کر دیا۔ ترہ کی کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد یہ فرار ہو کر پشاور آگئے۔ اور آجکل صداقت کے ہمراہ ایک کرائے کے مکان میں مقیم ہیں۔

مذکورہ بالا بھگوڑے لیڈروں کی قیادت میں، اور جماعت اسلامی کی حمایت سے افغان "مہاجرین" نہ صرف پاکستانی قوانین بلکہ بین الاقوامی سطح پر تسلیم شدہ سفارتی آداب کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ اور انہوں نے صوبہ سرحد کو اپنا "BASE AREA" بنا رکھا ہے۔ جو پاکستان کے مفادات کے منافی ہے۔ چنانچہ عوام حکومت پاکستان سے یہ پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ اس نے افغان "مہاجرین"، جو ترہ کی حکومت جسے پاکستانی حکومت قانونی اور آئینی حکومت کی حیثیت سے تسلیم کر چکی ہے۔ کے مخالفین کو کھلی چھٹی کیوں دے رکھی ہے۔ ●

نیشنل پروگریسو پارٹی

۲۳ مارچ کو یوم مطالبات منانے کا فیصلہ

بھٹو کی جان بخشی اور اسیر صحافیوں، مزدوروں اور طلبا کی رہائی کا مطالبہ

۲۷ فروری کو نیشنل پروگریسو پارٹی کی مرکزی مجلس عاملہ کا اجلاس پارٹی کے سربراہ ڈاکٹر اعزاز نذیر کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں قومی اور بین الاقوامی صورتحال اور تنظیمی امور کا جائزہ لیا گیا اور اہم فیصلے کئے گئے۔ ڈاکٹر اعزاز نذیر نے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ حکمران طبقات عوام کے اصل مسائل سے ان کی توجہ ہٹانے کے لئے سماجی برائیوں کو ملک میں نافذ معاشرتی اور اقتصادی نظام کا نتیجہ ہیں علیحدہ کر کے دکھانے اور سیاسی بحران کا ڈھونگ رچانے میں مصروف ہیں، انہوں نے کہا آج عالمی سرمایہ داری نظام مکمل زوال پذیری کا شکار ہو چکا ہے اور جدید نوآبادیاتی ریاستوں میں اس کے طفیلی عوام کے غیض و غضب اور نفرتوں کا شکار ہیں چونکہ روز بروز عوام کے شعور میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور ملکی حکمرانوں کی عوام دشمنی ننگی ہوتی جا رہی ہے وہ اپنی حکمرانی کا ہر جواز کھو چکے ہیں نتیجتاً انہیں اپنا مستقبل تاریک نظر آ رہا ہے اور اب وہ عوام کی نظر کو ماضی کی جانب پھیرنے کی تگ و دو کر رہے ہیں۔ عوام کے مختلف حصے خصوصاً محنت کش عوام اور دانشوروں نے ریاستی جبر کے خلاف اپنی لڑائیوں کے مورچے کھول رکھے ہیں جنہیں اپنے ملک کے اطراف عوام کی فتح مندیوں سے حوصلہ مل رہا ہے، آزادی صحافت، جمہوری حقوق کی جدوجہد، مزدور، کسان، طالب علموں اور عوام میں باہمی اتحاد کی شدید خواہش، ہزارہا کارکنوں کو کوڑوں اور قید و بند کی سزائیں ہماری سیاسی تاریخ کے نئے باب کا آغاز ہے انہوں نے کہا کہ نیشنل پروگریسو پارٹی عوام کی جمہوری لڑائیوں کو مربوط کرنے اور انہیں منظم بنانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھے گی اور ہر اس پارٹی کے ساتھ اتحاد، تعاون و اشتراک کرے گی، جو عوام کی حاکمیت، سامراجی اثرات کے خاتمہ اور جمہوری آزادی کے کم سے کم پروگرام پر عمل پیرا ہونے کے لئے تیار ہو۔ ڈاکٹر اعزاز نذیر نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ افغانستان کے عوام کی کامرانیوں کے خلاف رجعتی ریشہ دوانیوں اور پروپیگنڈہ کا تدارک کرے انہوں نے کہا کہ کسی بھی خطہ میں عوام کی کامیابی عالمی برادری کا ورثہ ہوتی ہے اور عوام رجعتی طاقتوں سے نمٹنا خوب جانتے ہیں۔

اجلاس سے صالح بلوچ پارٹی کے قائمقام جنرل سیکریٹری کے علاوہ صوبہ سرحد و بلوچستان پارٹی کے آرگنائزر جناب شاہنواز خان اور میرا خان مندوخیل اور محمد جمیل، راجہ ذوالقرنین، مرزا عبدالحمید شکیب اور مہدی انور صاحبان نے بھی خطاب کیا۔ اجلاس میں مندرجہ ذیل قراردادیں منظور کی گئیں۔

۱: مارشل لاء ختم کیا جائے اور اقتدار فوری طور پر عوامی منتخب نمائندوں کو منتقل کیا جائے۔

۲: افراسیاب خٹک، سرفراز خان، جام ساقی، رحمت شاہ سائل مختار باچا، حسین نقی، رسول بخش بلیجو، قاضی فیض محمد، زبیرالرحمٰن، لطف پیرزادہ، مرزا لقمان، محمد رمضان، جان عالم، شیرایان سمیت رودیٹری کے گرفتار شدہ تمام مزدوروں، سیاسی کارکنوں، کسانوں اور طلبا کو رہا کیا جائے اور وارنٹ گرفتاری منسوخ کئے جائیں۔

۳: کوڑوں کی سزائیں کالعدم کی جائیں، مزدوروں کی چھانٹیوں اور کسانوں کی بے دخلیوں کا سلسلہ بند کیا جائے۔

۴: شہری آزادیاں بحال کی جائیں، تعلیمی ادارے کھولے جائیں

۵: سابق وزیر اعظم بھٹو کی جان بخشی کے سلسلے میں بھاری تعداد میں بین الاقوامی اپیلیں موجودہ انتظامیہ کو وصول ہوئی ہیں۔ پاکستانی عوام بھی جان بخشی کا مطالبہ کر رہے ہیں اس لئے مارشل لاء انتظامیہ ان کی سزا کو کالعدم قرار دے۔

۶: یہ اجلاس افغان انقلاب کے خلاف رجعتی ریشہ دوانیوں کی مذمت کرتا ہے۔

۷: یہ اجلاس ایران کی جمہوری تحریک سے وابستگی کا اظہار کرتے ہوئے ایرانی عوام کو شہنشاہیت کے خلاف دلیرانہ لڑائی لڑنے پر مبارک باد دیتا ہے

ایک قرارداد کے ذریعہ تمام شاخوں کو ہدایت کی گئی کہ ۲۳ مارچ کو مذکورہ مطالبات پر یوم مطالبات منائیں۔ ✱

مکتوب برطانیہ

بشیر ریاض

پاکستانی سفارتخانہ

بھٹو دشمنی اور کاغذی تنظیموں پر سرمایہ کاری

جماعت اسلامی کی ذیلی تنظیم کی تقریب میں شری اوڑہ کی شرکت

اسلامی کانفرنس کے چیئرمین اور پاکستان کے معزول وزیراعظم بھٹو کی سزائے موت کی منسوخی، رہائی اور پاکستان میں بحالی جمہوریت کے لئے برطانیہ اور یورپ کے دیگر ممالک میں جو مظاہرے اور جلوس نکل رہے ہیں وہ جہاں غیر ممالک میں مقیم پاکستانیوں کی اپنے وطن سے بے پناہ محبت کے مظہر ہیں، وہاں جناب بھٹو سے پاکستانیوں کی محبت و عقیدت کے علاوہ ان کی ان خدمات کا بھرپور اعتراف بھی ہے مسٹر بھٹو نے جو بیرونی ممالک میں مقیم پاکستانیوں کے نزدیک پاکستان کے لئے انجام دی ہیں۔ علاوہ ازیں سمندر پار رہنے والے پاکستانیوں کو گذشتہ سالوں میں اپنے مسائل کے لئے جو مراعات دی گئی تھیں ان کا اظہار تشکر بھی کہا جا سکتا ہے۔ لیکن پاکستانیوں کے دلوں میں اپنے وطن کی عظیم ترمحبت دراصل اس کی محرک ہے۔ کیونکہ وہ پاکستان کی سلامتی کے لئے بے چین اور مضطرب ہیں۔ اور ملک کی سالمیت پر آنچ آتے نہیں دیکھ سکتے ہیں۔

جناب بھٹو کی رہائی کے لئے عالمی مہم میں دنیا کی اہم اور بااثر شخصیتیں بھی دلچسپی لے رہی ہیں۔ دنیا بھر کے پریس میں جناب بھٹو کا ذکر نمایاں طور پر ہو رہا ہے۔ دسمبر ۷۸ء میں وہ سپریم کورٹ میں بیان دینے کے لئے پیش ہوئے۔ تو یہاں کے تمام بڑے چھوٹے اور علاقائی اخبارات نے جو عموماً مقامی مسائل سے پر ہوتے ہیں، ان کے بیان کو مسلسل رپورٹ کیا۔ جناب بھٹو کی تصاویر شائع کیں۔ اداریے اور مضامین لکھے۔ اسی طرح جب سپریم کورٹ آف پاکستان نے مسٹر بھٹو کی اپیل اکثریتی فیصلے سے مسترد کی تو برطانیہ کے تمام اخبارات اور دیگر ذرائع ابلاغ نے اس خبر کو سرخیوں سے شائع کیا اداریے لکھے اور مسٹر بھٹو کی سزائے موت کی منسوخی کا مطالبہ کیا اور اس خطرے کی بھی نشاندہی کی کہ اگر انہیں پھانسی دے دی گئی تو پاکستان شاید مزید ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے

بہت کم لیڈروں کو یہ اعزاز حاصل ہوا ہے کہ اقوام عالم نے ان کے معاملے میں اتنی زیادہ دلچسپی لی ہو۔ گذشتہ چند ماہ میں جتنے بھی پاکستانی وزراء یہاں آئے ان کے بارے میں کسی انگریزی اخبار میں ایک لفظ تک نہیں شائع ہوا۔

پاکستان میں جمہوریت کی بحالی اور جناب بھٹو کی رہائی

کے حق میں عالمی مہم کی تفصیل بہت طویل ہے۔ اسے جناب بھٹو کے بڑے صاحبزادے میر مرتضیٰ بھٹو لندن سے چلا رہے ہیں۔ سابق گورنر پنجاب مسٹر مصطفےٰ کھر بھی اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ میر مرتضیٰ بھٹو کا زیادہ تر وقت دنیا کے مختلف ممالک کے سفر میں گذرتا ہے۔ لندن میں قیام کے دوران ان کا رابطہ پاکستانیوں سے ہوتا ہے۔ اس رابطہ کے لئے بھی اکثر و بیشتر انہیں لندن سے باہر دوسرے شہروں میں اجتماعات اور اجلاسوں کی قیادت کرنی پڑتی ہے۔ ان کی اس کامیاب مہم سے بوکھلا کر پاکستانی سفارت خانہ کے متعلقہ افسروں نے یہ طریقہ ایجاد کیا ہے کہ انہوں نے سفارت خانہ کے دفتر میں بعض جعلی انجمنوں کی تخلیق کر کے ان کے حوالے سے سرکاری و نیم سرکاری خبر رساں ایجنسیوں کے توسط سے من گھڑت اور بے بنیاد خبریں شائع کرانے کا آسان نسخہ استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ تاکہ پاکستانی عوام کی آنکھوں میں دھول جھونک سکیں۔ اصل حقائق سے سفارتی مشینری کا فرار درحقیقت اپنی اس ناکامی پہ پردہ ڈالنے کے مترادف ہے جو حکومت کے موقف کو عام کرنے کے محاذ پر انہیں ہوتی ہے۔ ان کی خبروں کا بھانڈا بی بی سی روزانہ پھوڑتی ہے۔ اس لئے یہ کہنا درست ہے کہ یہ افسر حقائق کو چھپا کر حکومت کو صریحاً دھوکہ دے رہے ہیں۔ کردار کشی

کے افسانوں سے حقائق مسخ نہیں کئے جا سکتے ہیں۔ اپنی کارکردگی کا ثبوت فراہم کرنے کے لئے ان کا دوسرا طریقہ کار ایسی جعلی تنظیموں کے خود ساختہ لیڈروں کے بیانات ہیں جنہیں یہ بڑے اہتمام سے پاکستان کے اخبارات میں شائع کرا کے "سب ٹھیک ہے" کا ڈھول پیٹ رہے ہیں۔

جماعت اسلامی کے ولائتی ادارے یو کے اسلامک مشن کے سربراہ کا لاہور پریس کانفرنس میں یہ بیان جھوٹ کی شرمناک مثال ہے کہ لندن میں جناب بھٹو کے حق میں مظاہرے کرنے

مرتضیٰ بھٹو اور شاہ نواز بھٹو کی قیادت میں لندن میں مظاہرہ

والوں کی اکثریت یہودی کمیونسٹ تھی۔ دنیا جانتی ہے اور پاکستانی آگاہ ہیں۔ کہ لندن میں جتنے مظاہرے ہوئے ہیں وہ کھرے اور سچے محب وطن پاکستانی اور کشمیریوں نے کئے ہیں۔ لیکن جماعت اسلامی کے اس لیڈر نے پاکستان کے دل لاہور میں اتنا بڑا شرانگیز جھوٹ بول کر پاکستانیوں اور کشمیریوں کی اکثریت کو بہت بڑی گالی دی ہے۔ یہ جھوٹا اور شرانگیز بیان ایک منصوبہ کے تحت دیا گیا ہے۔ یا محض اپنی ناکامی چھپا کر سستی شہرت کے لئے "کارکردگی" جتانے کے لئے گھڑا گیا ہے۔ بہر صورت قابل مذمت ہے۔ کیونکہ یہ شرانگیزی خطرناک نتائج کی حامل ہو سکتی ہے۔ یہاں یہ اعادہ ضروری ہے کہ مئی کے مظاہرے میں ہزاروں پاکستانی شامل تھے۔ کشمیری سراپا احتجاج بنے ہوئے تھے۔ اس سے قبل جتنے بھی مظاہرے اور جلوس نکلے ہیں ان میں مظاہرین نے اپنے بھرپور جذبات کا اظہار کر کے ملک میں بحالی جمہوریت، مارشل لاء کے خاتمہ آئین کی بالادستی اور بھٹو کی رہائی کے مطالبات کئے ہیں۔

حکومت کے یہ نمائشی حامی ان مظاہروں کے جواب میں ابھی تک حکومت کے حق میں ایک مظاہرہ بھی کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ حالانکہ ۱۸ جون ۷۸ء کو مظاہرہ کا اعلان کیا گیا۔ اس کی سرپرستی سفارت خانے نے کی۔ اور انتظامات پہ بے دریغ قومی دولت ضائع کی گئی۔ ان نمائشی لیڈروں کو نقد رقوم دی گئیں۔ ان کے ناموں سے اخبارات میں بڑے بڑے اشتہار شائع ہوئے۔ بریانی پلاؤ والا کانوے ہال میں کنونشن بھی منعقد ہوا اور حاضرین سے مظاہرہ میں شرکت کی منت سماجت بھی کی گئی۔ اس کے باوجود آخری وقت پر مظاہرہ ملتوی کرنے کا اعلان کر دیا گیا۔ اور نصف سال گذر جانے کے بعد اب تک یہ مظاہرہ نہیں ہو سکا ہے۔

اس پر اخراجات کی رقم ان بیان بازوں کی جیب کی نذر ہو گئی۔ جسے ہضم کر کے ڈکار تک نہیں لیا گیا۔ ان کا نمائشی وجود اور حکومت کی حمایت کا تمام تر زور اخبارات میں بیانات تک محدود ہے اور اس طرح بلیک میل کرنے کے لئے سفارتخانہ کی مشینری اور جعلی لیڈر ایک دوسرے کی ضرورت بنے ہوئے ہیں۔ اور ضیاع قومی دولت کا ہو رہا ہے۔

یو کے اسلامک مشن آجکل سیاسی بیان بازی کر رہا ہے جبکہ ماضی میں اس کا یہ موقف رہا ہے کہ ان کا کسی سیاسی جماعت سے تعلق نہیں ہے۔ جماعت اسلامی سے واضح تعلق کے باوجود اس حقیقت سے منکر ہو کر یہ غیر سیاسی تنظیم کا دعویٰ کر کے جھوٹ بولتے ہیں۔ اب وہی جھوٹے سیاسی بیانات دے کر بول رہے ہیں۔ ان کا یہ بھی دلچسپ دعویٰ تھا کہ پاکستان سے زیادہ یہ مسلمانوں کے نمائندے ہیں۔ اس وجہ سے قائداعظم کا یوم پیدائش نہیں مناتے تھے۔ لیکن پچھلے سال سے یہ بھی ناٹک شروع کر دیا ہے۔ اس کے صدر کے روابط بھارتی حلقوں سے بہت گہرے ہیں۔ عام پاکستانی اس سے آگاہ ہے۔ ان کی دیدہ دلیری کا یہ عالم ہے۔ کہ پچھلے دنوں ان کی جماعت کے وزیر اطلاعات کی لندن آمد کے موقع پر جماعت کی نئی ذیلی تنظیم "پاکستان اوورسیز فورم" نے ایک تقریب منعقد کی۔ جس میں داخلہ دعوتی کارڈ کے ذریعے تھا۔ اور اس میں معروف پاکستان دشمن شری مدن اروڑہ بھی مدعو تھے۔ مدن اروڑہ کا تعلق انڈیا ہائی کمیشن سے بتایا جاتا ہے۔ سفارت خانہ کے شعبہ تعلقات عامہ نے اس تقریب کی جو تصویر برائے اشاعت جاری کی اس میں بھی شری مدن

اڈوڑہ یوکے اسلامک مشن کے ممتاز رکن کے قریب بیٹھے ہوئے تھے۔ لندن کے ہفت روزہ "آزاد" نے یوکے اسلامک مشن کے ارکان کی پاکستان دشمن سرگرمیوں کے حوالے سے اس کی پرزور مذمت کرتے ہوئے اسے اپنے صفحہ اول پر شائع کیا اور سخت نکتہ چینی کی ہے۔ اور پاکستانی سفارتی حلقوں میں یوکے اسلامک مشن کی اس خصوصی تقریب میں مدن اڈوڑہ کی شرکت بحث کا موضوع بنی ہوئی ہے۔

یوکے اسلامک مشن صرف جماعت اسلامی کی برطانوی برانچ ہے۔ یہ کسی اور کی نمائندہ نہیں ہے۔ مسلمانوں کی نمائندگی کا دعویٰ بھی صریحاً جھوٹ ہے۔ یہاں مختلف شہروں میں پاکستان کی اپنی مذہبی اور رفاعی انجمنیں ہیں۔ اور ان کا یوکے اسلامک مشن سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جس طرح جماعت اسلامی اور دوسری مذہبی جماعتوں میں پاکستان میں شدید اختلافات ہیں۔ وہی صورت یہاں درپیش ہے۔ البتہ آجکل وزارتِ اطلاعات کی شعبدہ بازیوں سے اس کے ارکان یہاں آباد پاکستانیوں اور مسلمانوں کی نمائندگی کا غلط اور بے بنیاد دعویٰ کر رہے ہیں۔ یہ دعویٰ مبالغہ آمیز اور حقائق کے منافی ہے۔ محب وطن پاکستانی جماعت اسلامی کے پاکستان دشمن کردار کو فراموش کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں اور یہاں کے اخبارات میں ان کا شدید ردِ عمل ہو رہا ہے۔

یوکے اسلامک مشن کے صدر نے اسی کانفرنس میں یہ جھوٹ بھی بولا۔ کہ جس مظاہرہ کا انتظام میر مرتضیٰ علی بھٹو نے کیا تھا۔ اور اس میں صرف دس آدمی شریک ہوئے تھے۔ میر مرتضیٰ بھٹو نے ۱۷ دسمبر کو مظاہرے کی قیادت کی تھی جس میں یخ بستہ سردی کے باوجود دور دراز کے شہروں سے پاکستانیوں اور کشمیریوں نے بھرپور شرکت کی۔ اور فضا میں ارتعاش پیدا کر دیا تھا۔ اس مظاہرے کی تصاویر شائع ہو چکی ہیں۔ اور حاضرین کی تعداد کے بارے میں اس جھوٹ بولنے والے اسلامی نظام کے داعی کی قلعی کھل چکی ہے۔ مئی کے مظاہرے سے یہ ابھی تک خائف ہیں ایک مظاہرہ منسوخ کرکے گھر بیٹھ کر بیان بازی کی چلمن سے ابھی تک بیٹھے ہیں۔ لاہور میں بیٹھ کر کشمیریوں اور پاکستانیوں کو یہودی اور کمیونسٹ کی گالی دے کر اس بھارت نواز نے ان کے عظیم جذبۂ حب الوطنی کی سخت توہین کی ہے۔

سپریم کورٹ کے فیصلے کے بعد بھی جناب بھٹو کے دونوں صاحبزادوں میر مرتضیٰ بھٹو اور شاہنواز بھٹو نے ایک احتجاجی جلوس کی قیادت کی۔

سمندر پار مقیم پاکستانی مارشل لاء انتظامیہ سے اصولی اختلاف رکھتے ہیں جسے وہ اپنا حق جمہوری سمجھتے ہیں۔ یہ وہی پاکستانی ہیں جنہوں نے ہر جنگ اور آڑے وقت میں اپنی تنخواہوں کے پیکیٹ ملک پر نچھاور کر دیتے تھے اور عطیات دے کر ملک کی خدمت کی تھی۔ اس کے برعکس اسلامک مشن نے آزمائش کی گھڑی میں کونسا عطیہ دیا؟ اس کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں۔ کہ یہ خود غیر ملکی عرب سفارتخانوں سے مختلف ناموں سے چندے اور عطیات وصول کرتے ہیں یہ رقم کہاں جاتی ہے؟ اور اپنے خیراتی ادارے کو آجکل سیاسی کام کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔ جبکہ ٹیکس سے بچت کرنے کے لئے انہوں نے برطانوی حکومت کو جل دینے کے لئے اسے خیراتی ادارہ کے طور پر رجسٹرڈ کرایا ہوا ہے۔ لیکن کام سیاسی جماعت کا کرتی ہے۔

اس ادارہ کے بارے میں یہ سکینڈل بھی منظرِ عام پر آچکا ہے کہ اس نے مختلف جعلی انجمنوں کے نام سے جو کاغذی تنظیمیں بنائی ہوئی ہیں اور ان کے نام سے جنرل ضیاء الحق انتظامیہ کے اعلیٰ افسروں کو خطوط لکھنے کے لئے بعض طلباء کی خدمات مستعار لے رکھی ہیں۔ اور انہیں جزوقتی کام کے لئے باقاعدہ تنخواہ ادا کی جاتی ہے۔ یہ کام حکومت کو دھوکہ دینے کے لئے کیا جا رہا ہے۔ اور فرضی انجمنوں کے نام سے خطوط اور تاروں کے ذریعے جن میں بھٹو کو پھانسی دینے کی حمایت کی جا رہی ہے اور اس طرح حکومت کے یہ کاغذی خیر خواہ اپنی حکومت کو چکر دے کر اس سے دغابازی کر رہے ہیں۔

پاکستانیوں اور کشمیریوں کی حب الوطنی کو یہودی اور کمیونسٹ کی گالی دینے والے یوکے اسلامک مشن کے صدر کے بارے میں اس انکشاف کا اعادہ ضروری ہے کہ اس کے اور مارشل لاء کے وزیر پروفیسر خورشید کے ایک قریبی دوست اور عزیز دانشور نے ۷۲ء میں قیام پاکستان کو غلط ثابت کرنے کے لئے بنگلہ دیش تحریک کے پسِ منظر میں ایک کتاب لکھی تھی۔ جس میں مصنف نے واضح طور پر پاکستان کے قیام کو کسی نظریے کے بجائے محض ایک حادثہ کی پیداوار قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ اس پروفیسر خورشید کے اس دوست نے بانئ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے خلاف اور ان کی شخصیت کو مسخ کرنے کے لئے ان پر سنگین الزامات لگائے ہیں اور لکھا ہے کہ انگریزی تہذیب کے دلدادہ جناح نے برصغیر کے مسلمانوں کو مذہب کے نام پر دھوکہ دیا۔ اس کتاب کے پیشِ لفظ میں کتاب کی تیاری میں مدد دینے پر جن دو افراد کا شکریہ ادا کیا گیا ہے۔ اس میں یوکے اسلامک مشن کے اس صدر کا نام بھی شامل ہے۔ یہ وقت کی ستم ظریفی ہے کہ پاکستان کے خلاف کام کرنے والے عناصر آج اس ملک کے اجارہ دار بن گئے ہیں جو آج بھی ملک کی جڑیں کھوکھلی کر رہے ہیں۔ جو کل تک پاکستانی کہلانے میں شرم محسوس کرتے تھے۔ آج وہی عناصر محب وطن پاکستانیوں پر یہودیوں اور کمیونسٹ ہونے کی تہمت لگا رہے ہیں۔ ان لوگوں کا نہ پاکستانیوں سے تعلق ہے اور نہ ہی یہ ان کے ترجمان ہیں۔ یہ ایک اقلیتی تنظیم سے وابستہ ہیں۔ اس اقلیتی فرقہ کو پاکستانی سفارت خانہ اپنی ضرورت کے لئے استعمال کر رہا ہے۔ اور دونوں ایک دوسرے کے لئے ضرورت بنے ہوئے ہیں۔ پاکستانیوں کی بجائے انہیں مدن اڈوڑہ عزیز ہیں۔ ✱✱

جماعت اسلامی نے گوریلا جنگ کے تربیتی مراکز قائم کر دیئے

جمعیت علماء اسلام (ہزاروی گروپ) صوبہ سرحد کے ممتاز رہنما محمد انور نے ایک اخباری بیان میں جماعت اسلامی پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ ہمسایہ ممالک کے ساتھ پاکستان کے تعلقات خراب کرنا چاہتی ہے۔ انہوں نے الزام لگایا کہ جماعت اسلامی افغانستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کر رہی ہے۔ اور اس کے مسلح افراد مبینہ طور پر افغانستان میں ترہ کی حکومت کے خلاف تخریبی کارروائیوں میں مصروف ہیں۔ جماعت اسلامی ہر قسم کا اسلحہ گولہ بارود، انقلاب دشمن عناصر کو مہیا کر رہی ہے۔ اگر یہی صورت حال رہی تو اس طرح سے افغانستان کو بھی پاکستان کے اندر گڑبڑ کرانے کا جواز مل جائے گا۔ اس لئے مارشل لاء انتظامیہ کو چاہیئے کہ وہ ان حالات پر سنجیدگی سے غور کرے۔

اخباری بیان میں کہا گیا ہے کہ اب تک تقریباً ایک لاکھ افراد افغانستان سے پاکستان آچکے ہیں۔ یہ تربیت یافتہ اور خودکار ہتھیاروں سے مسلح ہیں۔ محمد انور نے الزام لگایا ہے کہ جماعت اسلامی نے بھی انہیں اسلحہ فراہم کیا ہے۔ ان نام نہاد مہاجرین کو قومی شناختی کارڈ بھی بنوا کر دیئے ہیں اور انتخابی فہرستوں میں بھی ان کا اندراج کر دیا ہے۔ جماعت اسلامی سمجھتی ہے کہ اگر مسٹر بھٹو کو پھانسی دی گئی تو صوبہ سرحد میں مزدور کسان تحریک ابھرے گی جس کو دبانے کے لئے جماعت اسلامی ان افغان مہاجرین کو استعمال کرنا چاہتی ہے۔ بیان میں انکشاف کیا گیا ہے۔ کہ اس مقصد کے لئے جماعت اسلامی نے چترال اور باجوڑ ایجنسی میں گوریلا تربیت کے لئے مرکز بھی قائم کر لیئے ہیں۔

بے اصولی کے ذریعے

اصولوں کے نفاذ کی کوشش کی جارہی ہے

ظفر قریشی

اب آپ وہی تاریخ دہرانا چاہتے ہیں تو ضرور دہرایئے

> "بدقسمتی سے زمانے کا دستور یہ رہا ہے کہ طاقت ور لوگوں نے مختلف طریقوں سے قانون کی عمل داری کو اپنے حق میں موڑنے کا چلن اختیار کئے رکھا۔ اس طرح حکمران طبقے کے مفادات کی قانون کے ذریعے حفاظت کی جاتی رہی جس کے سبب باقی آبادی کو انصاف کے فائدوں اور ثمرات سے محروم رکھا گیا۔"
>
> —— انقلابِ سفید از محمد رضا شاہ پہلوی

پچھلے ہفتے اور اس سے قبل متعدد مواقع پر راقم نے چرچ اور امورِ مملکت کو یکجا کرنے کے خطرات کی طرف توجہ مبذول کرائی تھی اور عرض کیا تھا کہ سیاست میں:

۱۔ مصلحت ۲۔ ریاکاری ۳۔ وعدہ خلافی ۴۔ بہتان طرازی ۵۔ جھوٹ ۶۔ احسان فراموشی ۷۔ بدعنوانی ۸۔ دھاندلی ۹۔ اقربا پروری ۱۰۔ دوست نوازی وغیرہ وغیرہ میں ملوث ہونا پڑتا ہے۔

اور مذکورہ بالا دس بارہ کمزوریاں ایسی ہیں جو جدید سیاست میں ڈپلومیسی کہلاتی ہیں۔ حکومت میں کوئی انتخاب کے راستے سے آئے یا چور دروازے سے داخل ہو، وہ پاک دامن نہیں رہ سکتا۔ خواہ دعویٰ کچھ ہی کیوں نہ کرے۔ اگر سیاست میں مذہب کی آمیزش یا آویزش کردی جائے تو تھوڑا بہت احترام، محبت، ڈر، خوف جو باقی رہ گیا ہے وہ ختم ہو جائے گا اور قوم اعتماد اور یقین کے ایک نئے بحران میں مبتلا ہو جائے گی۔ یہی نام نہاد مذہبی سیاسی رہنما قسمیں کھا کھا کر یقین دلانے کی کوشش کریں گے اور ان پر کوئی یقین نہیں کرے گا۔ اور کوئی یقین بھلا کیوں کرے؟ جب ہم آپ ان نام نہاد مذہبی سیاسی رہنماؤں کو جھوٹ بولتے، وعدہ خلافی کرتے، بہتان طرازی کرتے، احسان فراموشی کرتے، بدعنوانیوں میں ملوث ہوتے، دھاندلیوں کے مرتکب ہوتے اور اقربا پروری اور دوست نوازی میں گلے گلے غرق ہوتے دیکھیں گے تو اس کے بعد یقین یا اعتماد کرنے کے لئے کون سی بنیاد باقی رہ جاتی ہے؟

قربانی کی کھالیں جمع کرتے کرتے اور میتوں کو قبرستانوں تک پہنچاتے پہنچاتے، یہ لوگ چور دروازے سے ایوانِ اقتدار میں داخل ہو چکے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ مل کر اس ملک میں چرچ کی بالادستی قائم کریں گے جو گذشتہ ۳۲ برس کے دوران پیدا ہونے والے بگاڑ کے ذمہ دار ہیں گویا بے اصولی کے ذریعے، اصولوں کے نفاذ کی کوشش کی جارہی ہے اور اصول بھی کون سے، وہ جن پر اتفاق ہو جاتا تو ایک ہی چرچ کی ۵۶ نمائندہ جماعتیں نظر نہ آتیں۔ مگر اکثریت کو کچلنے کے لئے ضروری ہے کہ اقلیت اپنے حلوے مانڈے کے حصول کے لئے متحد ہو اور حلوے مانڈے کی فراہمی کا ضامن وہ ادارہ ہو جو اکثریت اپنے خون پسینے کی کمائی میں سے ٹیکس دے کر اپنے تحفظ کے لئے قائم کرتی ہے۔ چنانچہ قارئین کرام۔ آپ دیکھتے ہیں اور ہم بھی دیکھ رہے ہیں کہ اس محدود اقلیت نے چور دروازے سے اس ادارے کا تحفظ حاصل کیا ہے، جسے یہ اقلیت ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۹ء تک چوکیدار کہتی تھی اور ملک پر اس کے قبضے کو گھر کے مکینوں کی لڑائی کے نتیجے میں چوکیدار کا غاصبانہ قبضہ قرار دیتی تھی، لیکن اب صورتحال مختلف ہے۔ اب سیاست میں ماموں جان یا مامے چاچے ہیں۔ آئین اور قانون پر مارشل لاء کی برتری کو ماموں جان یا مامے چاچے قبیل کے حضرات کی حمایت حاصل ہے، اس لئے ہمیں اور آپ کو یہ بھی سننا پڑتا ہے کہ "آئین اور قانون پر مارشل لاء کی برتری برقرار رکھتے ہوئے میں نے قانون کی حکمرانی دی ہے۔" ہمارا اور آپ کا (کہ ہم نہتے عوام کی حیثیت رکھتے ہیں) فرض ہے کہ اس اعلان پر زور زور سے اثبات میں سر ہلائیں کیونکہ اس میں حکمت کے موتی پنہاں ہیں جب کوئی یہ کہتا ہے اور علی الاعلان کہتا ہے کہ "میں نے ہو سکتا ہے کہ قوم کو کچھ نہ دیا ہو۔" دوسرے الفاظ میں وہ کھل کر اعتراف کرتا ہے کہ حقیقتاً اس نے کچھ نہیں دیا، لیکن مارشل لاء کی آئین اور قانون پر برتری برقرار رکھتے ہوئے قانون کی حکمرانی دینے کی بات کرنا کسی سیاسی طور پر باشعور معاشرے میں ممکن نہیں۔ دوسرے الفاظ میں اس کا یہ بھی مطلب ہے کہ میں آئین میں اپنی مرضی کے مطابق تبدیلی کرسکتا ہوں، میں اسے توڑ بھی سکتا ہوں۔ اور عوام کی اکثریت چونکہ سیدی مودودی کے عقائد کے مطابق جاہل ہے اس لئے مجھے پورا بھروسہ ہے کہ میرے اس اقدام پر کوئی احتجاج نہیں ہوگا۔ آئین کو میں نے معطل کیا ہے، سیاسی رہنماؤں کو میں نے اقتدار میں شریک کیا ہے، چھوٹے صوبے کیا بیچتے ہیں، میں چاہوں تو مارشل لاء کی قوت سے جب تک چاہوں ان

پر بلا شرکت غیرے حکومت کر سکتا ہوں اور یہ جو قانون کی حکمرانی میں نے دی ہے، یہ بھی واپس لے سکتا ہوں جس کا چاہوں جھٹکا کر سکتا ہوں جس کو چاہوں نواز سکتا ہوں یہ اختلاف کرنے والوں پر منحصر ہے کہ وہ تعاون کریں، عام انتخابات کے مطالبوں تک اپنے آپ کو محدود رکھیں کیونکہ اس سے آگے بڑھنے کی صورت میں وہ میرے غیظ و غضب کو دعوت دیں گے اور میں اپنی اس قوت سے، جس سے میں نے قوم کو قانون کی حکمرانی دی ہے، کچھ اور نہیں دیا ہے، انہی قوانین کے ذریعے تہس نہس کر سکتا ہوں اور جو راہ راست پر نہیں آرہے انہیں تہس نہس کر بھی رہا ہوں۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ اس قسم کی باتیں کرنے سے قبل لوگ پچھلے تجربات سے کچھ کیوں نہیں سیکھتے۔ یاوہ گوئی کا ایک مسلسل عمل ہے جو بلا روک ٹوک جاری ہے۔ آئین اور قانون کی حکمرانی ایک مذاق بن کر رہ گئی ہے، مذہبی اختلافات کو ہوا دی جارہی ہے، گرانی اور بے روزگاری سے عاجز آکر لوگ غلام بن کر بیرونی ممالک جارہے ہیں۔ آخر یہ سب کچھ کیا ہے؟

ایک شخص اگر آپ کی نظر میں غلط کار تھا، تو اس کی سزا پوری قوم کو کیوں ملے ہ لیکن آپ کی نظر کا کیا ہے، آپ کی نظر میں تو لیاقت علی خان درست نہیں تھے، اس لئے انہیں راستے سے ہٹا دیا گیا۔ آپ کی نظر میں سہروردی بھی ٹھیک نہیں تھے آپ کی نظر میں بوگرہ بھی کچھ یونہی تھے۔ شیخ مجیب الرحمٰن بھی آپ کو قبول نہیں تھا۔ ہاں آپ کو ایوب خان اور یحییٰ خان قبول تھے کیونکہ وہ آپ کی قوت کی علامت تھے آپ کو اس سے غرض نہیں کہ ان دونوں حضرات نے ملک کو کتنا نقصان پہنچایا۔ آپ یہ چاہتے ہیں کہ انہوں نے جو روایت قائم کی ہے، قوم اسی کو قبول کرلے۔ ہوسکتا ہے کہ ایسا ہو بھی جائے، لیکن اس کے نتیجے میں یہ جو آدھا پاکستان رہ گیا ہے، اس کا آپ کیا کیجئے گا؟ کیا آپ بھول گئے کہ بنگالیوں کو، جن کی اکثریت تھی، اقلیتی صوبے پنجاب کے تسلط کی شکایت تھی۔ اس شکایت کو رفع کرنے کے لئے آپ نے ون یونٹ قائم کیا تاکہ محض ایک پنجاب اس الزام کا شکار نہ ہو اور سندھ، بلوچستان اور سرحد بھی اس میں شامل رہیں۔ اب آپ وہی تاریخ دہرانا چاہتے ہیں تو ضرور دہرایئے، چند سیاسی جماعتوں کی حمایت سے اگر بنیادی انسانی حقوق کی پامالی جائز قرار پاتی ہے تو پھر روکنے ٹوکنے والا تو کافر ہے۔

●

وادی بولان — لائق میاں اچکزئی

گرفتاریاں اور سزائیں

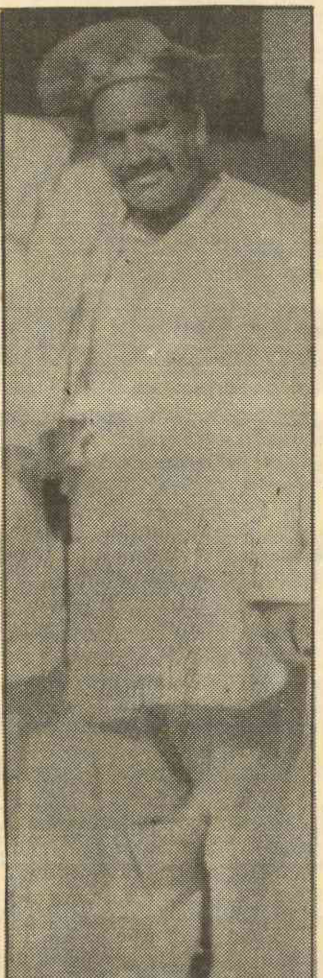

خورشید احمد قیدی کی وردی میں

وادیٔ بولان میں بھی پاکستان پیپلز پارٹی کے رہنماؤں اور کارکنوں کی پکڑ دھکڑ جاری ہے۔ مسٹر بھٹو کی اپیل کا فیصلہ ہونے میں چند دن باقی تھے کہ انتظامیہ نے پیپلز پارٹی کے رہنماؤں اور کارکنوں کو گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ سابق وزیر اطلاعات و نشریات طاہر محمد خان اور ڈاکٹر عبدالمجید جعفر کو مارشل لاء ضابطہ ۱۲ کے تحت ان کے گھروں میں نظر بند کر دیا گیا۔ آغا نصیر الدین بنگلزئی سابق ایم پی اے حسین بخش بنگلزئی، عنایت اللہ ہزارہ، ابراہیم جعفر، دلشاد شاہین، سید سعد اللہ، میر عبدالعزیز خان عمرانی، عبدالکریم بزنجو، پی ایس ایف کے مشتاق احمد رخشانی، حبیب الرحمٰن اور دیگر سینکڑوں کارکنوں اور طلباء کو گرفتار کر لیا گیا۔ ڈاکٹر نصیر الدین جوگیزئی اور غلام رسول بلوچ کے وارنٹ گرفتاری ہیں۔ پولیس انہیں گرفتار کرنے کے لئے جگہ جگہ چھاپے مار رہی ہے۔

اس سے قبل اکتوبر ۱۹۷۸ء میں بھی انتظامیہ نے پیپلز پارٹی اور پیپلز اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے کارکنوں کو گرفتار کرنے کا عمل شروع کیا گیا تھا۔ اور زیادہ تر کارکنوں کو مارشل لاء ضابطہ ۱۳ اور ۳۳ کے تحت سزائیں دی گئیں تھیں۔ مچھ جیل میں اس وقت پیپلز پارٹی کے جو کارکن سزائیں کاٹ رہے ہیں اُن کے نام یہ ہیں۔

۱: محمد صادق عمرانی صدر پیپلز پارٹی ضلع نصیر آباد، ایک سال قید سخت، زیر دفعہ مارشل لاء ضابطہ ۱۳-۳۳، مزید تین مقدمات زیر دفعہ ۱۶ ایم پی او، ۳۵۳، ۵۰۶ اور ۵۰۴ زیر سماعت۔

۲: نصر اللہ بلوچ ڈپٹی چیف آرگنائزر پی ایس ایف ایک سال قید سخت، زیر دفعہ مارشل لاء ضابطہ ۱۳-۳۳۔

۳: غلام فرید عمرانی، ایک سال قید سخت۔ زیر دفعہ مارشل لاء ضابطہ ۱۳-۳۳۔

۴: سید انور شاہ بخاری صدر پی ایس ایف کچھی ایک سال قید سخت زیر دفعہ مارشل لاء ضابطہ ۱۳-۳۳۔

۵: غلام رسول بجلی، نو ماہ قید سخت، زیر دفعہ مارشل لاء ضابطہ ۱۳-۳۳۔

۶: غلام قادر ریٹی، چھ ماہ قید سخت، زیر دفعہ مارشل لاء ضابطہ ۱۳-۳۳۔

۷: لعل بخش خان کھوسہ جنرل سکریٹری پیپلز پارٹی چھٹ پٹ، چھ ماہ قید سخت، زیر دفعہ مارشل لاء ضابطہ ۱۳-۳۳۔

۸: غلام قادر سیٹھا، چھ ماہ قید سخت، زیر دفعہ مارشل لاء ضابطہ ۱۳-۳۳۔

۹: نور محمد قریشی، صدر پیپلز پارٹی کوئٹہ چھاؤنی، چھ ماہ قید اور بیس ہزار روپے جرمانہ، زیر دفعہ مارشل لا ضابطہ ۱۳-۳۳۔ مزید ایک مقدمہ مارشل لا ضابطہ ۱۳-۳۳ کے تحت زیر سماعت ہے۔

۱۰: خالد خان ایڈووکیٹ، سابق سینیٹر، چھ ماہ قید اور بیس ہزار روپے جرمانہ، زیر دفعہ مارشل لا ضابطہ ۱۳-۳۳۔

۱۱: خورشید احمد، جوائنٹ سیکریٹری پیپلز پارٹی کوئٹہ چھاؤنی، چھ ماہ قید سخت اور بیس ہزار روپے جرمانہ، زیر دفعہ مارشل لا ضابطہ ۱۳-۳۳۔

۱۲: شیخ بشیر احمد آفس سیکریٹری پی پی پی کوئٹہ، چھ ماہ قید سخت اور بیس ہزار روپے جرمانہ، زیر دفعہ مارشل لا ضابطہ ۱۳-۳۳۔

۱۳: آغا سید حسن نومانی، چھ ماہ قید سخت اور بیس ہزار روپے جرمانہ، زیر دفعہ مارشل لا ضابطہ ۱۳-۳۳۔

۱۴: حاجی محمد اشرف صدر پیپلز پارٹی ضلع کوئٹہ، چھ ماہ قید سخت اور بیس ہزار روپے جرمانہ، زیر دفعہ مارشل لا ضابطہ ۱۳-۳۳۔

۱۵: ہدایت اللہ پیرزادہ نائب صدر پی پی پی ضلع کوئٹہ، چھ ماہ قید اور بیس ہزار روپے جرمانہ، زیر دفعہ مارشل لا ضابطہ ۱۳-۳۳۔ مزید ایک مقدمہ مارشل لا ضابطہ ۱۳ اور ۳۳ کے تحت زیر سماعت ہے۔

محمد صادق عمرانی قیدی کی وردی میں

۱۶: حاجی اسماعیل درانی، رکن صوبائی کمیٹی پی پی پی، چھ ماہ قید سخت، زیر دفعہ مارشل لا ضابطہ ۱۳ اور ۳۳، مزید ایک مقدمہ مارشل لا ضابطہ ۱۳-۳۳ کے تحت زیر سماعت ہے

۱۷: جمال جوگیزئی، رکن صوبائی کمیٹی پیپلز پارٹی، چھ ماہ قید سخت، زیر دفعہ مارشل لا ضابطہ ۱۳-۳۳۔

۱۸: غلام رضا مارشل، ڈپٹی جنرل سیکریٹری، چھ ماہ قید سخت، زیر دفعہ مارشل لا ضابطہ ۱۳-۳۳۔ مزید ایک مقدمہ مارشل لا ضابطہ ۱۳ اور ۳۳ کے تحت زیر سماعت ہے۔

۱۹: حاجی سیف الدین کبزی، چھ ماہ قید سخت، زیر دفعہ مارشل لا ضابطہ ۱۳-۳۳، مزید ایک مقدمہ مارشل لا ضابطہ ۱۳ اور ۳۳ کے تحت زیر سماعت ہے۔

۲۰: نگین علی، چھ ماہ قید سخت زیر دفعہ مارشل لا ضابطہ ۱۳-۳۳۔

۲۱: حمایت علی، چھ ماہ قید سخت زیر دفعہ مارشل لا ضابطہ ۱۳ اور ۳۳۔

۲۲: آغا طلحہ قاضی، چھ ماہ قید سخت، زیر دفعہ مارشل لا ضابطہ ۱۳-۳۳۔

۲۳: میر احمد خان بلوچ، چھ ماہ قید سخت زیر دفعہ مارشل لا ضابطہ ۱۳-۳۳۔

۲۴: ظفر احمد بلوچ، نو ماہ قید سخت، زیر دفعہ مارشل لا ضابطہ ۱۳-۳۳۔

(باقی صفحہ پر)

بھٹو کی سزا منسوخ کی جائے' پی ایس ایف

پیپلز اسٹوڈنٹس فیڈریشن صوبہ سرحد نے صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ اسلامی سربراہ کانفرنس کے پیش نظر جناب ذوالفقار علی بھٹو کی سزا فوراً منسوخ کر کے انہیں رہا کر دیں۔

پیپلز اسٹوڈنٹس فیڈریشن صوبہ سرحد کے سیکرٹری اطلاعات عثمان علی عثمان نے صدر کے نام ایک خط میں کہا ہے کہ جناب ذوالفقار علی بھٹو ملک کے منتخب صدر اور وزیر اعظم رہے ہیں اور انہوں نے پاکستان کے غریب عوام اور عالم اسلام کے لئے گراں قدر خدمات انجام دی ہیں جناب بھٹو نے کھنڈرات پر نیا پاکستان تعمیر کیا خط میں کہا گیا ہے کہ جناب بھٹو نے جب ملک کی باگ ڈور سنبھالی تو خزانہ خالی تھا جنگ ہاری جا چکی تھی تقریباً ایک لاکھ فوجی اور غیر فوجی قیدی بن چکے تھے آدھا ملک علیحدہ ہو چکا تھا اور باقی ماندہ پاکستان کا پانچ ہزار مربع میل سے زائد رقبہ بھارت کے قبضے میں تھا سامراجی ایجنٹ اور وطن دشمن عناصر ملک میں بدامنی پھیلائے ہوئے تھے لیکن ان تمام مشکلات اور مسائل کے باوجود جناب ذوالفقار علی بھٹو نے اپنی اعلیٰ سوچ اور صلاحیت سے دن رات محنت کر کے بہت جلد پاکستان کو ترقی پذیر ملکوں کے

صف میں لا کھڑا کر دیا اور دنیا میں ملک کا وقار بلند کیا۔

مسٹر عثمان علی عثمان نے صدر کے نام خط میں کہا ہے کہ طلبہ کسی بھی ملک و قوم کا عکس طبقہ ہوتے ہیں طلبا نے ہمیشہ ظلم کے خلاف آواز اٹھائی اور حق کا ساتھ دیا ہر قسم کی قربانیاں دیں۔ اور آخر کامیاب ہوئے جناب بھٹو طلباء کے دلوں میں بستے ہیں۔

خط میں کہا گیا ہے کہ پیپلز اسٹوڈنٹس فیڈریشن نوے فیصد طلبا کی نمائندہ تنظیم ہے اور وہ جناب بھٹو کی قیادت پر مکمل اعتماد رکھتی ہے کالجوں اور یونیورسٹیوں کے یونینوں کے انتخابات میں طلبا نے پیپلز اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے حق میں دے کر ثابت کر دیا ہے کہ انہیں جناب بھٹو کی قیادت پر مکمل اعتماد ہے

خط میں کہا گیا ہے کہ جناب بھٹو کو پھانسی دینے سے پاکستان کا شیرازہ بکھر جائے گا چنانچہ پیپلز اسٹوڈنٹس فیڈریشن صوبہ سرحد جناب بھٹو کی سزا فوراً منسوخ کر کے انہیں باعزت رہا کرنے کا مطالبہ کرتی ہے اور امید رکھتی ہے کہ ملک و قوم کو تباہی سے بچانے کی خاطر اس مطالبے کو پورا کیا جائے گا۔

میکسیکو

سعودی عرب کے بعد تیل پیدا کرنے والا دوسرا بڑا ملک ہوگا

میکسیکو، اچانک ساری دنیا کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ صدر کارٹر اس ہفتے دورہ کرنے والے ہیں۔ پوپ جان پال دوم، اور شاہ اسپین کے نقشِ قدم تازہ ہیں اس ماہ کے آخر تک فرانس کے صدر گیسکارڈ بھی وہاں پہنچنے والے ہیں۔ اور موسم خزاں میں میکسیکو کے صدر لوپیز پورٹیلو لندن کا سرکاری دورہ کریں گے۔

کسی ایسے ملک کے ساتھ بڑی طاقتوں کی دلچسپی خالی از علت نہیں ہوتی۔ جسے ماضی میں بری طرح نظر انداز کیا جاتا رہا میکسیکو اور اس کے عوام کی امریکہ میں کبھی توقیر نہیں کی گئی میکسیکو کے مہاجرین واشنگٹن اور دوسرے شہروں میں تیسرے درجہ کی شہری کی حیثیت سے سیاہ فاموں سے بدتر زندگی گذارتے ہیں۔

میکسیکو سے بڑے ممالک کی بڑھتی ہوئی دلچسپی کا اصل سبب یہ ہے کہ سال گذشتہ میں یہاں تیل اور گیس کے بڑے ذخائر کا انکشاف ہوا ہے جس کا شمار دنیا کے بڑے ذخائر میں ہوتا ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ پرودن تیل کے ذخائر کی مقدار ۴۰ بلین بیرل ہے جو امریکہ کے تیل کے ذخائر کے مساوی ہے۔ جب کہ خام تیل کے ۳۰۰ بلین بیرل کے طاقتور ذخائر موجود ہیں۔ جو آگے چل کر سعودی عرب کی سطح کے برابر ہو جائیں گے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ ۱۹۸۰ء تک میکسیکو، سعودی عرب کے بعد تیل سپلائی کرنے والا دنیا کا دوسرا بڑا ملک ہوگا۔ مغربی مبصرین اور ماہرین کا خیال ہے کہ میکسیکو میں تیل کی دریافت سے امریکہ کو خاص طور سے تقویت کا احساس ہوگا۔ کیونکہ مشرقِ وسطیٰ اور ایران کی غیر یقینی حالت سے امریکہ اور یورپی ممالک میں تشویش کی جو لہر پائی جاتی ہے۔ وہ میکسیکو میں تیل کے ذخائر کی تازہ دریافت سے بڑی حد تک ختم ہو جائے گی۔

تیل کے ذخائر سے قطع نظر اسپینی زبان بولنے والے ممالک میں میکسیکو کی بڑی اہمیت ہے اس کی آبادی چھ کروڑ ستر لاکھ ہے اور آبادی میں سالانہ اضافہ ۲۰ لاکھ سے زیادہ ہو رہا ہے، جس کی وجہ سے میکسیکو ہسپانوی ممالک میں آبادی کے اعتبار سے سب سے بڑا ملک تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس کی مجموعی قومی پیداوار اسپین کے بعد دوسرے نمبر پر ہے۔ تیل کی پیداوار کے بعد میکسیکو کی برتری تسلیم شدہ حقیقت ہوگی۔ دوسری جانب میکسیکو شہر ہسپانوی ثقافت کا قدرتی مرکز ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ گذشتہ سال اسپین کے شاہ خوان کارلوز نے پہلی مرتبہ "نئے اسپین"، کا دورہ کیا، جس کی چار سو سال قبل کورٹیز نے بنیاد ڈالی تھی۔ میکسیکو کی اپنی تاریخ ہے۔ پیشے ہیں۔ ادیب اور دانشور ہیں، پریس ہے۔ متوسط طبقہ ہے۔ اور سب سے بڑھ کر سیاسی افکار کے دھارے ہیں، واضح رہے کہ میکسیکو لاطینی ممالک میں واحد ملک ہے جس نے فرانکو حکومت کو کبھی تسلیم نہیں کیا۔ میکسیکو کے سیاسی نظام میں ایک تسلسل قائم ہے جس کی وجہ سے فوجی مہم جوئی کی مثال گذشتہ پچاس سال سے نہیں ملتی۔

صدر لوپیز پورٹیلو اپنے عہدے پر مزید چار سال تک رہ سکتے ہیں۔ بعد ازاں میکسیکو کی روایت کے مطابق انہیں سیاست سے کنارہ کش ہونا پڑے گا۔ یقیناً نئے دریافت شدہ تیل کے ذخائر سے ہونے والے فوائد کو وہ اپنی صدارتی مدت کے دوران اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ سکیں گے لیکن ان کی یہ دلچسپی ضرور ہوگی کہ وہ ملک سے بیروزگاری ختم کرنے کے لئے ساٹھ ہزار نئے روزگار فراہم کر کے ایک اقتصادی ڈھانچہ تیار کر دیں۔ کیونکہ ملک میں جو سرمایہ دارانہ اقتصادی نظام ہے اس کی وجہ سے

یہاں گذشتہ پچاس سال سے کوئی فوجی مہم جوئی نہیں ہوئی

عوام میں بے پناہ بے اطمینانی اور بے چینی ہے اس کے سبب سیاست میں برقی رو کی مانند دوڑتے والے سیاسی رجحانات بھی حکومت، امریکہ اور سرمایہ داری کی موت کا سبب بن سکتے ہیں۔ یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا امریکہ ایران اور مشرق وسطیٰ کے تیل کے کنوئیں سے محروم ہونے کے بعد میکسیکو کے تیل کے ذخائر سے فائدہ اٹھا سکتا ہے جب کہ میکسیکو کے عوام کے ساتھ اس کا رویہ ہمیشہ سے توہین آمیز رہا ہے۔ میکسیکو چاہے گا کہ وہ تیل اور ضروریاتِ زندگی کا سامان یورپ اور تیسری دنیا کے ممالک کو برآمد کرے، لیکن تجارتی طور پر امریکہ نے اسے

شہنشاہ کے زوال نے امریکہ کو سیکھنے کی لائن پر لگا دیا

پابند کر رکھا ہے۔ میکسیکو امریکہ کا چوتھا بڑا تجارتی پارٹنر ہے۔ تیل کے ذخائر کی برآمدگی کے بعد امریکہ تعلقات کو مساوی درجے پر لانے کی کوشش ضرور کرے گا۔ تاکہ اب تک اس نے میکسیکو کے جسم پر جو زخم لگائے ہیں اس کا کچھ ازالہ کیا جا سکے۔

سیاسی مبصرین نے اس نئی صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ تیل کی دریافت سے میکسیکو میں جو تبدیلی آئے گی اس کے نتیجے میں سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ امریکہ کے خلاف عوام کی نفرت، بغاوت کی صورت میں پھوٹ پڑے گی اور سرمایہ داری کی جگہ سوشلسٹ نظام لے لے گا سابق صدر شی ویریا اور واشنگٹن کے درمیان کشیدگی پیدا ہو گئی تھی۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بائیں بازو کے خیالات رکھتے تھے۔ انہوں نے میکسیکو میں امریکی گرینگوز کی مہم جوئی پر شدید برہمی کا اظہار کیا تھا میکسیکو کے ساتھ ایک ہزار نو سو میل لمبی سرحدوں کو بند نہیں کیا جا سکتا، نہ ہی کڑی نگرانی کی جا سکتی ہے چنانچہ ہر سال میکسیکو کے سینکڑوں بے روزگار افراد، روزگار اور ملازمتوں کی تلاش میں امریکی ریاستوں میں پہنچ جاتے ہیں۔ ان میں سے کچھ یقیناً واپس چلے جاتے ہیں، مگر کچھ وہیں ٹھہر جاتے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق ریاست ہائے متحدہ میں میکسیکو کے باشندوں کی تعداد کم و بیش ساٹھ لاکھ ہے۔ اور اس میں سالانہ اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ ان کی زیادہ تر آبادی ٹیکساس، جنوبی کیلی فورنیا اور شکاگو میں ہے۔

(باقی صفحہ ۵ پر)

جنت جانے والی سیڑھی سے اخبار نویسوں کو گرانے کی کوشش

میکسیکو میں لاطینی امریکہ کے بشپوں کی جو ۱۲ روزہ کانفرنس ہوئی وہ واضح طور پر ریڈیکل اور قدامت پسند دھڑوں میں بٹ گئی اور ان کے درمیان مختلف موضوعات پر بڑی شدت کے ساتھ گرما گرم بحثیں ہوئیں۔ یہ کانفرنس میکسیکو کے مشرق حصے کے ایک کلیسا میں منعقد ہوئی، قدامت پسندوں نے جن کے انتظام میں یہ کانفرنس ہوئی، پریس کو دور رکھنے کی پوری کوشش کی۔ اس پر ایک دلچسپ کارٹون شائع ہوا جس میں ایک بشپ ٹھوکر مار کر جنت میں جانے والی اس سیڑھی کو گرا رہا ہے جس پر رپورٹرز چڑھے ہوتے ہیں دریں اثنا بائیں بازو کے خیالات رکھنے والے مذہبی رہنماؤں نے کانفرنس میں شرکت نہیں کی اور وہ رپورٹروں کی بریفنگ کرتے رہے۔

اجلاس کا نتیجہ اس وقت برآمد ہوا۔ جب انتہائی قدامت پسند بشپ پیڈرو آرنلڈ اپارلسیو اد نے بے باکی سے سیاسی خیالات کا اظہار کرنے والے سان سلواڈور کے بشپ اسکار انلسفو رومیر پر بھرپور نکتہ چینی کی اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مزید تین بشپ نے احتجاجاً کانفرنس کی کارروائی کا بائیکاٹ کیا۔ اجلاس کے اختتام پر دونوں دھڑے ایک دوسرے سے بدظن اپنی اپنی منزل کی جانب روانہ ہو گئے۔

اجلاس کے بعد قدامت پسند اور ترقی پسند دونوں دھڑوں نے اپنی کامیابی کا دعویٰ کیا۔ ۲۸ جنوری کو پوپ جان پال نے کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے آزادی کے مذہبی نظریہ پر تقریر کرتے ہوئے بھرپور حملہ کیا تاہم میکسیکو میں اپنے چھ روزہ قیام کے دوران پاپائے اعظم نے استحصال اور غربت کے خلاف باتیں کیں انہوں نے بشپوں کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے آپ کو اقتصادی اور سماجی ناانصافی تک محدود رکھیں، لیکن ایسے معاملات سے خود کو دور رکھیں جن کے پیچھے سیاسی محرکات ہوں پوپ نے کانفرنس کے انتظام کو کلی طور پر قدامت پسندوں کے سپرد کر رکھا تھا لیکن ریڈیکل اور ترقی پسند بشپوں نے کسی موقع پر محاذ کو خالی نہیں چھوڑا اور انہوں نے قدامت پسندوں کے فرسودہ خیالات اور تنگ نظری پر بار بار حملے کئے۔ کانفرنس کے طویل سیشن میں ۲۲ ورکنگ کمیٹیوں میں ترقی پسند بشپوں کا دباؤ اتنا شدید تھا کہ ۱۲ فروری کو جو آخری دستاویز منظور ہوئی۔ اسے ریڈیکل کی کامیابی قرار دی گئی۔ دستاویز میں افلاس کو انسانیت سوز، جرم قرار دیا گیا۔ جس میں لاطینی امریکہ کے کروڑوں افراد زندگی بسر کر رہے ہیں بھوک، افلاس، جہالت بیروزگاری، ہاؤسنگ، صحت اور تعلیم کے فقدان کو نسل کشی اور انسان دشمنی قرار دیا گیا۔ دستاویز میں فوجی حکومتوں پر الزام لگایا گیا کہ وہ "مغربی تہذیب" کے تحفظ کے نام پر مخالفین کے خلاف بہیمانہ تشدد، اغوا اور قتل کے ارتکاب میں ملوث ہیں۔ دستاویز میں دیہی علاقوں میں کام کرنے والے کسانوں اور شہروں کے محنت کشوں کی حمایت کی گئی جو ٹریڈ یونین بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کلیسا کو مشورہ دیا گیا ہے کہ لوگوں کو اخلاق کا سبق دینے سے پہلے غربت کے خاتمے پر بھرپور توجہ دی جائے۔ مذہب کا اصل مقصد آزاد، انصاف اور پرامن سوسائٹی کا قیام ہے۔

مبصرین کا خیال ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ریڈیکل کی تعداد اور طاقت میں اضافہ ہوگا۔ ترقی پسند بشپوں کے قائد آرچ بشپ رومیرو نے کہا کہ چرچ کو ہمیشہ عوام کا ساتھ دینا چاہیئے۔ چرچ دراصل بے آواز لوگوں کی آواز ہے۔

امریکہ میں ایرانی سفارتخانے کے تمام قونصلر ساواک کے تھے

تربیت کے لئے امریکہ میں ساواک نے ایک ڈیری فارم قائم کیا

ایران کی سیکرٹ پولیس' ساواک کے جرائم اور دہشت گردی کے سامنے نازیوں کی بربریت بھی مات کھا گئی۔ ایک تازہ ترین انکشاف میں کہا گیا ہے کہ ساواک سالہا سال سے امریکہ میں آپریٹ کرتی رہی ہے۔ ۱۹۵۷ء میں جب ساواک کی بنیاد ڈالی گئی تو اس کے ایجنٹوں کو سی آئی اے کے انسٹرکٹروں نے تربیت دینی شروع کی۔ ان کی روانگی کی خبر تہران میں ساواک کے دفتر سے امریکی سفارت خانے کو بھیجی گئی' وہاں سے یہ خبر سی آئی اے' محکمہ دفاع' نیشنل سیکورٹی ایجنسی' امریکی اطلاعات کی ایجنسی اور امریکہ کی نیشنل سیکورٹی تک پہنچائی گئی۔ ایک موقع پر واشنگٹن میں ایرانی سفارت خانہ کے ایک ترجمان نے اس بات کی تردید کی تھی کہ اس کے اسٹاف میں ساواک کا کوئی ایجنٹ موجود نہیں ہے' لیکن یہ بات اس وقت غلط ثابت ہوئی جب جریدہ "نیویارک" نے ساواک کے ایجنٹوں کے نام اور عہدے شائع کئے۔

امریکہ میں ساواک کی سرگرمیوں کا سرغنہ ایک شخص منصور رفیع صادق تھا۔ جو اقوام متحدہ میں ایرانی مشن میں اٹاچی تھا۔ اس کے بارے میں جو معلومات حاصل ہوئی ہیں اس کے مطابق وہ امریکی حدود میں ساواک کے "سیکورٹی کمیشن" کا چیئرمین تھا۔ اور امریکہ میں غیر قانونی سرگرمیوں کی اسکیمیں تیار کرتا تھا۔ کمیشن کے دوسرے ارکان میں سفارت خانے کے سیاسی قونصلر احمد شادی زید' سفارت خانے کا اٹاچی محمد فرزانی' اور اقوام متحدہ میں ایرانی مشن کے فاروقی پارسی' اور بہم اسفندیاری شامل ہیں۔

سفارت خانے کی چھت کے نیچے چار محکمے تھے۔ مالی امور' سیاسی امور' ویزا کی نگرانی' اور غیر مستقل جاسوسوں کی نگرانی اور معلومات۔ آخری محکمہ پریس سے تعلقات کا بھی انچارج تھا۔

مالی محکمہ المیبسی کے تیل اور اقتصادیات کے سابق منیجر یوسف اقبار' کرنل اے اے فرلیواری جو ایجنٹوں اور مخبروں کو رقم دیتا تھا۔ اور المیبسی کا سکریٹری ملک قائی جاودان پر مشتمل تھا۔

غیر مستقل جاسوسی کرنے والے محکمہ (خاص طور پر طلبا) کا سربراہ منوچہر اردلان تھا جو واشنگٹن میں ایرانی سفارتخانے میں پریس اور اطلاعات کا قونصلر تھا۔ اس کے مددگار نصر اللہ سلطانی' اور فرہاد وکیل تھے۔ سیاسی محکمہ کا سربراہ نصیر غوث بیگانی تھا۔ اس کے مددگاروں میں زاہد داداش رشیدی' اور عبدل کے ادیبور شامل تھے۔ سیاسی محکمہ کی سرگرمیوں کانٹ نہ وائٹ ہاؤس' کانگریس' اور جی کامرس اور ٹریژری تھے۔ ویزے کے اجرا کی نگرانی کا سربراہ گھولیام قاضی میاں تھا۔ اس کے مددگار کا نام انوشیروان اشرف تھا۔

امریکہ کے سارے قونصلیٹ میں ساواک کے گروپ تھے جن کا ہیڈکوارٹر واشنگٹن کے ایرانی سفارت خانے میں تھا۔ مثال کے طور پر نیویارک میں ساواک قونصلیٹ گروپ کے قائد بادی اور اسفندیاری تھے جب کہ ارکان ضیا نیا' ویرانی اور مختار رسید تھے۔ ہیوسٹن میں قونصلیٹ کے زیر سایہ ساواک کو انٹیلی جنس افسر حسین طوسی جعفری اور حامد پرویز ہدایت دیتے تھے جب کہ شکاگو میں عباس شریفی تہرانی اور محمد علی ایزدی کام کرتے تھے۔

امریکہ میں ساواک کی سرگرمیوں میں مشہور لون وائل آپریشن ہے۔ لون وائل نیویارک کے وسطی حصے میں ایک چھوٹی سی جگہ کا نام ہے۔ زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ ایک ایرانی زرعی فرم منصور نامی نے وہاں زمین کا ایک مناسب ٹکڑا خریدا۔ اور اس پر ایک عمارت تعمیر کرائی گئی۔ اس کے مالک کی زبان میں وہ دنیا کا بڑا ڈیری فارم تھا۔

ڈیری فارم درحقیقت امریکہ اور کینیڈا میں ساواک کی سرگرمیوں کو پوشیدہ رکھنے میں کام آتا تھا۔ اس عمارت میں الیکٹرونک کمپیوٹرز لگے ہوتے تھے اور سان ایرانیوں اور امریکیوں کی فائلوں کی تیاری اور نگرانی کی جاتی تھی جو شاہ اور اس کی حکومت کی مخالفت کرتے تھے یہاں جو اصلاحاتی سنٹر بھی تھا جس کا تعلق امریکہ میں ساواک کے اڈوں اور تہران میں ہیڈکوارٹر سے تھا۔ لون وائل کی ڈیری کو وسعت دینے کے لئے ایران کی انٹیلی جنس سروس نے راک ویل انٹرنیشنل کمپنی سے رابطہ قائم کرکے منفرد الیکٹرونک آلات کی تنصیب کا آرڈر دیا تھا۔

اس ڈیری فارم کی ابتدائی رپورٹیں اپریل ۱۹۷۷ء میں اس وقت منظر عام پر آئیں جب ایران کے ایک شاعر رضا براہانی نے بتایا کہ فارم کے مالکوں میں سے ایک نے جو ساواک کا ایجنٹ تھا اس پر تہران کے عقوبت خانے میں انٹروگیشن کے دوران بے پناہ تشدد کیا۔ اس ایجنٹ کا نام ہوزنگ نمواز تہرانی تھا۔ جو نیوجرسی میں ادویات کی دکان چلاتا تھا۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ منصور رفیع صادق کا سالا ہے جو امریکہ میں ساواک کا چیف تھا۔ ایران سے ہجرت کرنے والے ایرانیوں کے مطابق شاہ کے باغیوں کو لون وائل کے ڈیری فارم کے عقوبت خانوں میں ٹارچر کیا جاتا تھا۔ ستم یہ ہے کہ واشنگٹن کو معلوم ہو چکا تھا کہ ڈیری فارم کی آڑ میں کیا گل کھلائے جا رہے ہیں۔ مگر اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔

امریکہ میں ساواک کے ایجنٹوں کے کام کرنے کا انداز اور طریقہ کار سی آئی اے کے ایجنٹوں سے ملتا جلتا تھا۔ مثال کے طور پر ایران کی انٹیلی جنس یونیورسٹیوں کی انتظامیہ کو بھاری مالی امداد وظائف اور تحائف دیتی تھی اور اس کے عوض ایرانی طلبا کے بارے میں معلومات حاصل کی جاتیں۔ ساواک کے ایجنٹ طلبا میں بلیک میل اور ایجنٹ پرووکیٹیئر کا حربہ استعمال کرتے اور بعض اوقات بین الاقوامی قوانین اور اصولوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے باغی طلبا کے فلیٹوں میں بھی گھس جاتے تھے۔ طلبا میں پھوٹ ڈالنے' گروہ بندی کرنے اور ایک دوسرے کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکانے جیسے جرائم بھی کئے جاتے۔

سی آئی اے کے ساتھ مل کر کام کرنے والے ساواک کے ایجنٹوں کی مجموعی تعداد کا صحیح اندازہ نہیں ہے تاہم بعض ذرائع کے مطابق ان کی تعداد ایک ہزار پانچ سو سے ۲ ہزار پانچ سو ہے۔ ساواک کے ڈپٹی ڈائریکٹر پرویز سبیلی کے انکشاف کے مطابق ان کی تعداد ۳ ہزار ۵ سو سے ۴ ہزار کے درمیان ہے۔ چند صحافیوں نے دعویٰ کیا ہے کہ امریکہ میں ایرانی انٹیلی جنس کے ایجنٹوں' انفارمروں اور ان کے ایجنٹوں کی مجموعی تعداد ۲۰ ہزار کے لگ بھگ ہے۔ •

کوئی کوڑا غریبوں کا خون پینے والوں کے لئے بھی ہے؟

مہنگائی بڑھنے سے معیار زندگی بلند ہوتا ہے!

مشیر احمد گلفام

نوید ہو کہ کراچی کے ایک روزنامہ کی اطلاع کے مطابق لاہور کے فلمی پرستان "شبانی فلم اسٹوڈیو" کو "صالحین" کی ایک جماعت "جماعت اسلامی" نے مبلغ ۸۰ لاکھ روپیہ میں خرید لیا ہے۔

آپ سے کیا پردہ... نادم ہیں ہم اپنے ناقص العقل ہونے پر کہ جماعت اسلامی کو اب تک چندوں اور قربانی کی کھالوں پر چلنے والی جماعت سمجھتے رہے۔ باوجود اس کے کہ اس جماعت میں امیر ہوتا ہے ہم اسے نام کا امیر سمجھتے رہے، اور وہ ماشاء اللہ اسم با مسمیٰ نکلا۔ ہم ہرگز یہ نہیں پوچھیں گے کہ ۸۰ لاکھ روپیہ کی خطیر رقم آئی کہاں سے۔ یہ خلاف تہذیب بات ہے۔ ویسے بھی ہم دوسروں کے اندرونی معاملوں میں مداخلت سے الرجک ہیں۔

ہمارا لاہوریا دوست ماجھا کہنے لگا کہ آخر جماعت اسلامی والے فلم اسٹوڈیو کا کریں گے کیا؟ ہم نے چڑ کر جواب دیا۔ جو چاہیں کریں۔ انہوں نے ۸۰ لاکھ روپیہ کی خطیر رقم خرچ کی ہے" اوتے ماجھے تو تو ہم سے بھی گاؤدی نکلا۔ اوئے جو لوگ لندن اور امریکہ کی گوری گوری میموں سے اپنی تیمار داری کروا سکتے ہیں۔ کیا وہ فلمی پریوں سے کوئی اور خدمت نہیں لے سکتے۔ ہے نا بے وقوف!"

چونکہ وزیر خوراک خواجہ صفدر قوم کو یہ مژدہ جانفزا دے ہی چکے ہیں کہ جولائی سے راشننگ سسٹم ختم کیا جا رہا ہے۔ اس لئے عوام الناس کو چاہیئے کہ اپنا معیارِ زندگی بلند ہونے کے لئے ابھی سے تیار ہو جائے۔ حفظ ما تقدم اور دور اندیشی کا تقاضا بھی یہی ہے کیونکہ ہمارے ملک میں "معیارِ زندگی" کا کلیہ ریاضی کے کلیہ کی طرح بہت پہلے رائج ہو چکا ہے۔ بڑے راز کی بات ہے۔ روس اور امریکہ بھی ابھی تک اس کلیہ کو دریافت نہیں کر سکے ہیں۔ آپ چونکہ اپنے آدمی ہیں اس لئے ہم چپکے سے بلا معاوضہ آپ کو بتائے دیتے ہیں۔ کلیہ ہے: مہنگائی = معیارِ زندگی
پس آپ سمجھ چکے ہوں گے کہ جوں جوں مہنگائی بلند ہوتی ہے۔ معیارِ زندگی خود بخود بلند ہوتا جاتا ہے۔ چنانچہ جیسے ہی آٹا مہنگا ہو گا۔ معیارِ زندگی خود بخود بلند ہو جائے گا۔ ہے نا پتہ کی بات۔

شراب پینے والے کو ۸۰ کوڑوں کی سزا ملے گی، بہت خوب! "ام الخبائث" پینے والے کی یہی سزا ہونی چاہیئے لیکن رمضانی بہت اداس ہے، ہر ایک سے پوچھتا ہے کہ "یار دا! کوئی کوڑا غریبوں کا خون پینے والوں کے لئے بھی ہے؟"

چچا سام پاکستان کے پرانے کرم فرماؤں اور خلیقوں میں سے ہیں۔ یادش بخیر! اب تک سینٹو کی زنگ خوردہ زنجیر کے ناطے حلیفانہ رشتہ رکھتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ یہ رشتہ نہ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں کام آیا اور نہ ۱۹۷۱ء میں ملک کے دو ٹکڑے ہوتے وقت۔ بہر حال امریکہ مہاراج کو تیسری دنیا کے ممالک بالخصوص مسلمان ممالک کا بڑا خیال رہتا ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ انہیں کسی قسم کا خسارہ ہو۔ مثلاً وہ نہیں چاہتا کہ فولاد سازی کے کارخانے، جدید اسلحہ سازی کے کارخانے اور دیگر بھاری صنعتیں کسی مسلمان ملک میں لگیں۔ اگر آپ شکی مزاج ہو جائیں تو اس میں امریکہ کا کیا قصور۔ سب آپ کی سمجھ کا قصور ہے۔ کیونکہ بقول بھولے بادشاہ امریکہ کے یہ سب خسارے کی سرمایہ کاری ہے۔ چنانچہ بُرا ہو روس کا، ہمارا نقصان کرنے پر تُلا ہوا ہے۔ ایک اچھا خاصا اسٹیل مل پاکستان میں بنا رہا ہے۔ جوں جوں اسٹیل مل کی تکمیل کے مراحل طے ہو رہے ہیں امریکہ کے پیٹ کے درد کی شدت میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ کبھی ایک وزیر با تدبیر آتا ہے اور کبھی دوسرا، کبھی پچکار کر اور کبھی ڈرا دھمکا کر ہمیں خسارہ کی سرمایہ کاری سے باز رکھنا چاہتا ہے، ہم ہیں کہ سمجھ ہی نہیں پاتے۔

اگرچہ پاکستان اسٹیل مل پر سات آٹھ ارب روپیہ چھ سات سال کا بیش قیمت وقت صرف کر چکا ہے لیکن مہاراج امریکہ نے اب تک امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ وہ اب بھی اس کام سے باز رکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اور ہماری اس سلسلے میں کہ وہ خطاؤں کو معاف کرنے کو تیار ہے۔ اگر ہم اس فراخدلی سے پھر بھی فائدہ نہ اٹھائیں اور کچھ نہ سمجھیں تو یہ ہماری تنگ نظری اور کم سمجھی ہے۔

؎ سادگی پر اس کی حسرت دل میں مر جانے کی ہے

درحقیقت امریکہ بیچارے کا قصور صرف اتنا ہے کہ وہ اپنے نقصان کو آپ کا نقصان سمجھتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ آپ کے نقصان کو اپنا فائدہ سمجھتا ہے۔ آپ تو اتنی سی بات پر خفا ہو جاتے ہیں ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں۔ اگر آپ بھاری صنعتیں لگا لیں۔ سوئی سے لے کر بحری جہاز اور گولی سے میزائل تک خود بنانے لگیں، اور اس پر طرہ یہ کہ آپ ایٹمی ری پروسیسنگ پلانٹ لگا لیں۔ ایٹمی صنعت اور ٹیکنالوجی پر عبور حاصل کر لیں تو بے چارے امریکہ اینڈ کمپنی کا گذارا کیسے ہو گا۔ ایک روپیہ کا خام لوہا مشینی شکل میں سو گنا، بعض صورتوں میں ہزار گنا مہنگا کون خریدے گا۔ کیا امریکہ اینڈ کمپنی بھٹے بھونیں گے اور بھونیں گے بھی تو خریدے گا کون؟

جب سے ہم نے یہ سنا کہ امریکہ میں مہدی حسن کی گائی ہوئی غزل۔

؎ بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی
جیسی اب ہو گئی حالت کبھی ایسی تو نہ تھی

بہت مقبول ہو رہی ہے تو ہمیں بڑی حیرت ہوئی اور اچنبھا بھی، ہم نے جب اس سلسلے میں اپنے آل راؤنڈر بقراط دوست سے استفسار کیا تو فرمانے لگے "جانِ پیارے.. اس میں حیرت کی کون سی بات ہے ذرا غور کرو.. کمبوڈیا ہو، ویت نام، ایران ہو، افغانستان.. ہر جگہ امریکہ مہاراج کو۔

؎ بڑے بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے،

کی صورت حال کا سامنا ہے۔ ایسے میں اگر امریکی یہ گاتے ہیں کہ ؎ جیسی اب ہو گئی حالت کبھی ایسی تو نہ تھی، تو اس میں حیرت کی کون سی بات ہے۔

حال ہی میں چھوٹے سے ملک شمالی کوریا کے اعلیٰ سرکاری نمائندے پاکستان تشریف لائے تھے وہی کوریا جو پاکستان کے بعد آزاد ہوا، بین الاقوامی سازشوں کی آماجگاہ بنا اور دو نیم کر دیا گیا۔ اسی کا ایک حصہ شمالی کوریا ہے۔ رقبہ میں پاکستان سے آٹھ گنا چھوٹا اور آبادی میں سات گنا چھوٹا، بے وسائل اور بے شمار مسائل کل تک بمشکل ترقی پذیر اور غریب ملکوں میں شمار ہوتا تھا آج ترقی یافتہ اور امیر ملکوں میں شمار ہوتا ہے۔ آج کل یہ ملک بڑا گستاخ ہو گیا ہے۔ امریکہ و مغربی ممالک کی روزی پر لات مارنے لگا ہے۔ شمالی کوریا نے صرف سعودی عرب میں ۱۷ ارب

ڈالر کے تعمیراتی و دیگر معاہدے بین الاقوامی مسابقت کے باوجود حاصل کرتے ہیں جس سے مغربی حلقوں میں کافی تشویش اور تکلیف محسوس کی جارہی ہے۔ اس چھوٹے سے ملک کے اعلیٰ سرکاری نمائندے نے جب ہمارے پیارے پاکستان کے وسائل کو دیکھا تو حیران و ششدر رہ گیا اسے اپنی کم مائیگی اور غربت کا احساس ہونے لگا۔ شمالی کوریا کے نمائندے کو اس بات پر بڑی حیرت ہوئی کہ پاکستان معدنی دولت، افرادی قوت اور دیگر وسائل میں مالا مال ہونے کے باوجود پسماندہ اور غریب کیوں ہے۔ پھر خود ہی قیاساً کہا۔ شاید پاکستان میں منصوبہ بندی کی کمی ہے۔

بس ہمیں اسی بات سے شدید اختلاف ہے کیونکہ ہم اپنے ملک کے متعلق غلط باتیں برداشت نہیں کر سکتے۔ ہمارے ملک میں منصوبے بنتے ہیں اور بہت خوب بنتے ہیں۔ ہم تو یہاں تک دعویٰ کرنے کو تیار ہیں، کہ روئے زمین پر ایسے منصوبے کہیں اور بن ہی نہیں سکتے۔ پنجسالہ بھی بنتے ہیں اور غیر معینہ مدت کے لئے بھی ہم تین ارب روپیہ کا اسٹیل مل اتیس ارب روپیہ میں بنانے کی منصوبہ بندی کرنا بھی جانتے ہیں۔ سیم و تھور کے خلاف منصوبہ بندی حتیٰ کہ خاندانی منصوبہ بندی تک ہمارے ہاں موجود ہے یہ اور بات ہے کہ سیم و تھور بڑھتا ہی چلا جارہا ہے۔ آبادی بڑھتی ہی چلی جارہی ہے۔ اس میں بھلا منصوبہ بندی والوں کا کیا قصور۔ قصور تو سراسر سیم و تھور کا ہے۔ آبادی بڑھانے والوں کا ہے۔

جب ہم نے یہ خبر پڑھی کہ ایران کی انقلابی حکومت نے برطانیہ سے ۲۰،ارب پونڈ کا اسلحہ خریدنے کا معاہدہ منسوخ کر دیا ہے جس کے نتیجے میں ۳۰ ہزار برطانوی بے روزگار ہوجائیں گے تو ہمارا دل دھک سے رہ گیا۔ یہ تو ان بیسوں معاہدوں میں سے ایک ہے جو امریکہ اور برطانیہ سے شاہ ایران نے کئے تھے اور اب منسوخ کئے جارہے ہیں۔ سنا ہے ایران کے حالات کی وجہ سے ڈالر اور پونڈ کی قیمت بین الاقوامی منڈیوں میں گرے گی۔ بھئی ہم کمزور دل کے آدمی ہیں ہمارا دل بیٹھا جارہا ہے۔ ڈالر پہ پہلے ہی افتاد کیا کم تھی کہیں وہ جاپانی ین کے سامنے گر رہا تھا اور کہیں وہ جرمنی میں مارک کے سامنے، کہ ایران نے مزید دھکا دے دیا۔ دوسروں کو بے روزگار کرنا، ساکھ گرانا، ہمارے نزدیک نہ صرف ظالمانہ اقدام ہیں بلکہ ہماری مشرقی تہذیب، اور اخلاقی روایات کے بھی خلاف ہیں۔ کیا ہوا اگر یہ "سفید ہاتھی" ہمارا خون پیتے ہیں۔ ہم ایران کی انقلابی حکومت سے پُرزور اپیل کرتے ہیں کہ نہ صرف منسوخ شدہ معاہدوں کو بحال کرے بلکہ مزید آرڈر دے تاکہ ہمارے "خیر خواہوں" کے عیش و طرب میں کسی قسم کا خلل نہ پڑے ●●

حافظ غلام اکبر پر جمعیت کے غنڈوں کا قاتلانہ حملہ

ڈیرہ غازی خان

نمائندہ خصوصی

پولیس حملہ آوروں کو ابھی تک گرفتار نہیں کرسکی

گزشتہ دنوں جماعت اسلامی کی ذیلی طلبا تنظیم اسلامی جمعیت طلباء کے مسلح غنڈوں نے شہر کے بارونق چوک پیروں والا میں دن دہاڑے گورنمنٹ ڈگری کالج سٹوڈنٹس یونین کے جنرل سیکرٹری حافظ غلام اکبر پر قاتلانہ حملہ کر کے شدید زخمی کر دیا۔ حملہ آوروں نے غلام اکبر کے کپڑے پھاڑ دیئے اور انہیں برہنہ کر دیا اور جب لوگ غنڈوں کو پکڑنے کے لئے بڑھے تو وہ "مودودی زندہ باد" کے نعرے لگاتے ہوئے فرار ہوگئے۔

تفصیلات کے مطابق حافظ غلام اکبر نے طلباء اتحاد کے پلیٹ فارم سے گورنمنٹ ڈگری سٹوڈنٹس یونین کے حالیہ انتخابات میں حصہ لیا تھا۔ یہ اتحاد مقامی تعلیمی اداروں میں اسلامی جمعیت طلباء کی بڑھتی ہوئی غنڈہ گردی اور لاقانونیت کو روکنے کے لئے بنایا گیا تھا۔ یونین کے الیکشن سے قبل اسلامی جمعیت طلباء اور مقامی جماعت اسلامی نے حافظ غلام اکبر کو انتخابات میں حصہ لینے سے باز رکھنے کے لئے ہر طرح کے حربے استعمال کئے انہیں خوف زدہ کیا گیا دھمکیاں دی گئیں اس کے باوجود غلام اکبر نے الیکشن لڑا اور اسلامی جمعیت طلباء کے امیدوار کو عبرت ناک شکست دی۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ غلام اکبر واحد مخالف اُمیدوار تھے جو کامیاب ہوئے۔ چنانچہ مقامی جماعت اسلامی اور جمعیت انہیں اپنے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ سمجھنے لگی اور اُن کے خلاف اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئی۔ جب تمام حربے ناکام ہوگئے تو مبینہ طور پر اسلامی جمعیت طلباء کے چار غنڈوں غوری، ملک عبدالمجید عبدالستار اور محمد خالد نے پیروں والا چوک میں حافظ غلام اکبر پر ڈنڈوں اور آہنی مکوں سے حملہ کر دیا۔ کپڑے پھاڑ دیئے، برہنہ کر دیا۔ حافظ غلام اکبر کی چیخ پکار سن کر بہت سے لوگ جمع ہوگئے تو مبینہ حملہ آور غلام اکبر کی گھڑی اور عینک چھین کر اور "مودودی زندہ باد" کے نعرے لگاتے ہوئے فرار ہوگئے۔ جائے واردات پر جمع لوگوں نے غلام اکبر کو ہسپتال پہنچایا۔

اس واقعہ پر شہر میں شدید ردعمل ہوا۔ بے چینی اور اضطراب پھیل گیا شہریوں کے ایک وفد نے ایس پی سے ملاقات کی جن کی ہدایات پر پولیس نے حملہ آوروں کے خلاف متعدد دفعات کے تحت مقدمہ درج کر لیا۔ لیکن ابھی تک کسی کو گرفتار نہیں کیا گیا ہے۔ پولیس کے اس رویہ پر شہریوں نے شدید احتجاج کیا ہے اُن کا مطالبہ ہے کہ اسلامی جمعیت طلباء کی غنڈہ گردی کو روکا جائے اور شہریوں اور طلباء کی جان و مال کا تحفظ کیا جائے۔ کیونکہ یہ ملک کسی ایک جماعت یا گروہ کی جاگیر نہیں ہے۔ طلباء اتحاد کے رہنما اعجاز حسین، رشید احمد، جمعیت طلباء اسلام کے سرپرست مولانا غلام محمد اور صدر مولانا غلام فرید نے اپنے بیانات میں اس واقعہ کی شدید مذمت کرتے ہوئے حملہ آوروں کی گرفتاری کا مطالبہ کیا ہے انہوں نے انکشاف کیا ہے کہ یہ حملہ ایک منظم منصوبہ کے تحت کیا گیا تھا۔ اور اس میں مبینہ طور پر مقامی جماعت اسلامی کے رہنما بھی ملوث ہیں ●●

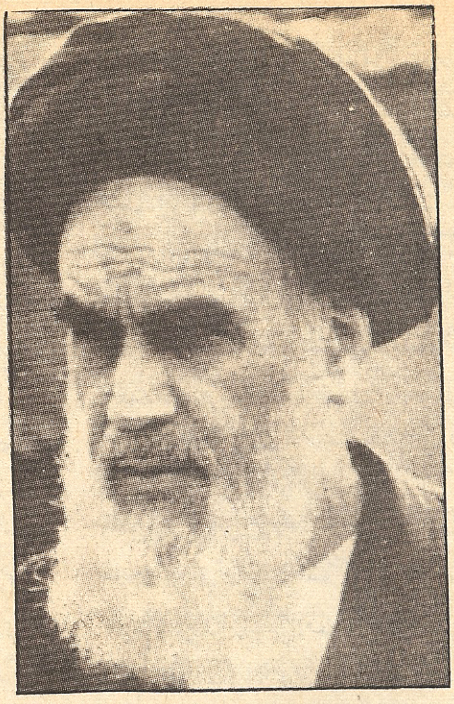

ایرانی عوام سے
طویل قتل عام
پر جماعت خاموش
کیوں رہی
؟

مودودی کا اسلامی نظام
ملوکیت پرستی سامراج دوستی
خمینی کا اسلامی نظام
ملوکیت شکنی سامراج دشمنی

جوہر میر

ابھی آیت اللہ روح اللہ خمینی پیرس ہی میں مقیم تھے جب انہوں نے ایران کے مجوزہ اسلامی نظام کے بارے میں صراحت کے ساتھ انکشاف کیا تھا کہ وہ جو اسلام ایران میں نافذ کرنے والے ہیں وہ سعودی عرب یا پاکستان کے زیرِ غور اسلامی نظام سے مختلف ہوگا۔ یہ تب کی بات ہے جب ایران کی اندرونی شورش کی واضح سمت ابھی متعین نہ ہوتی تھی مگر اس کے باوجود ہم نے دیکھا کہ جماعت اسلامی ایرانی عوام کی جدوجہد اور آقائے خمینی کی پیش رفت پر کچھ اس انداز سے بغلیں بجا رہی تھی گویا آقائے خمینی نے مولانا مودودی کے دربدر زانوئے تلمذ تہہ کرنے کے بعد ہی اپنی تحریک کا آغاز کیا ہو۔

قطع نظر اس بات سے کہ جماعت اسلامی کے دانشوروں نے ایرانی صورتِ حال پر اپنی چھاپ لگانے اور اسے اپنے زورِ بازو کا کرشمہ ثابت کرنے کے لئے جعلی نمائندوں کی درآمد سے لے کر جسارت کے سلسلہ وار مضامین تک کیا کردار ادا کیا ایک بات محل نظر ہے کہ آقائے خمینی کو اس وضاحت کی ضرورت کیوں محسوس ہوتی تھی کہ ایران کا اسلامی

نظام سعودی عرب اور پاکستان کے اسلامی نظام سے مختلف ہوگا، جب کہ اس بارے میں جماعت اسلامی کا واضح موقف سعودی عرب اور پاکستان کے موجودہ نظام کے بارے میں مثبت دکھائی دیتا ہے جماعت اسلامی نہ صرف یہ کہ سعودی عرب کے نظام کو اسلامی سمجھتی ہے بلکہ جنرل ضیاالحق کے لائے ہوئے نظام کو بھی اسلامی قرار دیتی ہے۔

اب جب کہ اقتدار پر قبضے کے بعد ایران میں تطہیر کا عمل شروع ہو چکا ہے اور ملک کے آئندہ نظام کے بارے میں ریفرنڈم کرائے جانے کا اعلان بھی کیا جا چکا ہے ہم آقائے خمینی کی قبل از وقت وضاحت کی ضرورت کو زیادہ خوبی سے سمجھ سکتے ہیں۔ ہماری دانست میں اس وضاحت کا جواز پہلے بھی کوئی ڈھکا چھپا نہ تھا وہ یوں کہ آقائے خمینی یا ایرانی عوام کی جدوجہد کی سامراج دشمن سمت بہت زیادہ نمایاں تھی۔ ہم دیکھ رہے تھے کہ شہنشاہ ایران کے خلاف چلنے والی تحریک کا نشانہ امریکہ بھی تھا اسرائیل بھی اور جنوبی افریقہ بھی، علاوہ ازیں بھی سامراجی مفادات پر اس کی زد پڑتی دکھائی دیتی تھی جو عرصہ دراز سے ایرانی عوام کے پیداواری وسائل پر بالواسطہ یا بلاواسطہ قابض چلے آرہے تھے۔ اب اسی دانست کی روشنی میں جب ہم آقائے خمینی کے زیر تجویز اسلامی نظام کا تجزیہ کرنا چاہتے ہیں تو بنیادی بات یہی سامنے آتی ہے کہ آقائے خمینی کے مجوزہ اسلامی نظام میں سامراجی طاقتوں کی کاسہ لیسی اور ملوکیت پرستی کی کوئی گنجائش نہ ہوگی اور غالباً ان کی قبل از وقت تبلیغ و وضاحت کا مقصد بھی یہی ظاہر کرنا تھا کہ مبادا امریکی ساخت کی جماعت اسلامیاں، حزب اسلامیاں اور اخوان المسلمون ایرانی عوام کی جدوجہد کے حقیقی مقاصد کو خلط ملط کردیں یا عالمی سطح پر ایرانی انقلاب کے مقاصد کے بارے میں کوئی گمراہ کن تاثر قائم کردیں۔

دراصل جماعت اسلامی کا اصل مقصد یہی تھا کہ کسی نہ کسی طرح پاکستان کے اندر اور باہر اسلام کے حقیقی ملوکیت دشمن کردار کی ایرانی عوام کی جدوجہد کے ساتھ شناخت نہ ہونے پائے۔ اور جماعت اسلامی کا تاریخی ملوکیت پرست کردار پاکستان کے عوام کے انقلابی شعور کا ہدف نہ بننے پائے۔ جماعت اسلامی اپنے اس مذموم مقصد میں کامیاب ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو عوام اس حقیقت سے ضرور آگاہ ہو گئے ہیں کہ آقائے خمینی نے بہت پہلے پیرس میں بیٹھ کر ایران کے مجوزہ اسلامی نظام کو سعودی عرب یا پاکستان کے اسلامی نظام سے مختلف ہونے کا اشارہ اور انکشاف کیوں کیا تھا، مزید یہ کہ جماعت اسلامی کو پاکستان سے زیادہ ایرانی عوام کی کامیاب جدوجہد پر اچانک بغلیں بجانے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

جماعت اسلامی اپنے اس منافقانہ کردار کی بنیاد غالباً اس مفروضے پر رکھے ہوتے ہے کہ پاکستان میں سابق حکومت کے خلاف پی این اے اور ایران میں شہنشاہ کی حکومت کے خلاف آقائے خمینی کی تحریک اور جدوجہد میں بہت حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔ یعنی ایران میں جو جدوجہد آقائے خمینی کے زیر قیادت اب کامیابی سے ہمکنار ہوئی ہے۔ پاکستان میں جماعت اسلامی کی قیادت میں وہ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو فتح مند ہو چکی تھی اور آقائے خمینی کے لئے موجب تقلید بنی۔ اس مفروضے کو درست تسلیم کرنے میں کئی قسم کی قباحتیں نظر آتی ہیں۔ سب سے پہلی قباحت تو مماثلت ہی کی ہے اگر ایرانی تحریک پی این اے کی تحریک کے مماثل ہوتی تو جماعت اسلامی طویل عرصے تک ایران میں جدوجہد کرنے والے ایرانی عوام کے کھلے قتل عام پر منہ میں گھنگھنیاں ڈالے نہ بیٹھی رہتی۔ ایک ایسی جماعت جو

پاکستان میں سامراج فتحیاب ہوا، ایران میں سامراج کو شکست ہوئی

افغانستان میں نام نہاد حزب اسلامی کی جدوجہد کے حوالے سے صحافت کا منہ کالا کئے ہوئے نہیں تھکتی، ایران میں شاہی فوجوں کے ہاتھوں ایرانی عوام کے قتل عام پر کیوں کر خاموش رہ سکتی تھی، مگر وہ خاموش رہی اور ہوا کا رُخ دیکھتی رہی، جماعت اسلامی کے کسی مودودی، کسی طفیلی کسی غفورے اور کسی فاروقے نے شہنشاہ ایران کے خلاف بیان جاری نہ کیا، اسلام کے کسی بھی جان نثار کو جلاوطن آقائے خمینی کی ڈھارس بندھانے کی توفیق نہ ہوئی اور کسی کے دل میں بھی اسلامی نظام کا درد نہ اٹھا، کسی نے امریکہ اور برطانیہ کی مذمت نہ کی کہ وہ شہنشاہ کی حمایت کیوں کر رہے ہیں کسی نے جمی کارٹر کو اس کے بنیادی انسانی حقوق کے فلسفے کا حوالہ نہ دیا جسے شہنشاہ ایران بے دردی سے پامال کر رہا تھا مگر جیسے ہی وہ سفاک شہنشاہ ایران سے باہر گیا جماعت اسلامی حرکت میں آگئی اور یوں بغلیں بجانے لگی گویا سارا کارنامہ مولانا مودودی ہی کا تھا آقائے خمینی تو بس ایسے ویسے ہی تھے

مماثلت کی نفی میں دوسری دلیل یہ نظر آتی ہے کہ شہنشاہ ایران اور ذوالفقار علی بھٹو کسی مماثلت کے حامل نہیں ہیں۔ شہنشاہ، لفظی اور معنوی طور پر مکمل شہنشاہ تھا جب کہ بھٹو ایک انتخابی عمل ایک جمہوری ادارے اور ایک متفقہ آئین کے حوالے سے منتخب حکمران تھے جناب بھٹو کے خلاف تحریک کی بنیاد "انتخابات میں دھاندلی کا شوشہ تھا نہ کہ نظام مصطفیٰ کا موقف" نظام مصطفیٰ کی لائن تو بہت بعد میں سامنے لائی گئی تھی جب سازش کی سمت متعین ہو گئی تھی اس کے برعکس ایران کے شہنشاہ کے خلاف اوّل روز سے تحریک کا نقطہ آغاز امامی جمہوریت کا قیام تھا۔ ایران میں سامراجی مفادات کا خاتمہ اور ایرانی عوام کے مفادات کی بالادستی پر مبنی تھا۔ جماعت اسلامی کی مفروضہ مماثلت درست ہوتی تو اس کا تسلسل اور اس کے نتائج بھی ایک ہی جیسے ہوتے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ پاکستان اور ایران کے حالات میں ایسی کوئی ترتیب یا ہم آہنگی نہیں پائی جاتی۔ ایران اور پاکستان میں حالات جس طرح تبدیل اور منطبق ہوتے وہ ایک دوسرے کی ضد نظر آتے ہیں۔ تجزیے کے تصویری نقشے میں جماعت اسلامی اور اس کی ہمنوا طاقتیں شہنشاہ ایران، جمی کارٹر اور اسرائیل و جنوبی افریقہ کے حکمرانوں کی صف میں کھڑی نظر آتی ہیں جب کہ پاکستان میں بھٹو اور اس کی جماعت عملاً ایرانی عوام کے ساتھ استادہ نظر آتے ہیں۔

ایران اور پاکستان میں چلنے والی تحریکوں کے دوران پولیس اور فوج کے خلاف مزاحمت کم و بیش ایک جیسی نظر آتی ہے۔ پی این اے کی جس تحریک کو دنیا کی "عظیم ترین تحریک" کا نام دیا گیا ہے اگرچہ وہ ایرانی عوام کی قربانیوں کا پاسنگ بھی نہیں پھر بھی دونوں تحریکوں کے ردّیے میں زمین آسمان کا فرق نظر آتا ہے۔ پاکستان میں تحریک چلی تو جماعت اسلامی نے مسلح افواج کے خلاف "حیرت ہے بھئی حیرت ہے، پاک فوج ..." قسم کے بے ضرر نعرے ایجاد کرتی رہی جب کہ ایران میں عوام نے مسلح تشدد کے خلاف مسلح مزاحمت کی مثال قائم کی، پاکستان میں بھٹو حکومت کے خاتمے پر مارشل لا کا تحفہ ملا جس پر پی این اے اور جماعت اسلامی نے خوشیاں منائیں، مٹھائیاں بانٹیں، اور جشن منایا جب کہ ایران میں مارشل لا نافذ ہوا، تو عوام کی تحریک مزاحمت میں شدت پیدا ہوئی اور اس

وقت تک جاری رہی جب تک کہ ملوکیت کے آخری آثار کو بھی اکھاڑ کر نہ پھینک دیا گیا۔ پاکستان میں انتخابات اور نظام مصطفےٰ کے وعدوں پر پی این اے کی پشت پناہ فوجی حکومت تاحال نہ تو عمل کر سکی نہ دو سال کا عرصہ گزر جانے کے باوجود وعدوں کی تکمیل کے آثار نظر آتے ہیں جب کہ جماعت اسلامی اور اس کے اتحادی فوجی حکومت میں اقتدار کے حصہ دار بھی بن چکے ہیں۔ اس کے برعکس ایران میں صورت حال بالکل مختلف نظر آتی ہے۔ اسلامی جمہوریہ قائم کرنے کے واضح وعدے کے باوجود آیت اللہ خمینی اور آیت اللہ شریعت مداری ریفرنڈم کے ذریعے عوام سے یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ملک میں کس قسم کا نظام چاہتے ہیں۔ پاکستان میں کئی فرقے آباد ہیں کئی فقہوں کے پیروکار ہیں مگر ایک ہی فرقے کا جزوی اسلام سب پر مسلط کر دیا گیا ہے اور اس پر مبارکبادیں وصول کی جا رہی ہیں۔ ایران میں اقتدار پر قبضے کے بعد فوراً ہی سامراجی مفادات پر ضربیں لگنی شروع ہو گئی ہیں۔ امریکیوں اور برطانوی ماہرین کو ملک سے نکالا جا رہا ہے جب کہ پاکستان میں اسرائیل نواز سامراجی طاقتوں سے عہد و پیمان مضبوط کئے جا رہے ہیں۔ ایران میں عوام کا قتل عام کرنے والوں کا خاتمہ کیا جا رہا ہے مگر پاکستان میں ان کے قصیدے گائے جا رہے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ جماعت اسلامی پیشہ ور قاتلوں سے عوام کا مزید قتل عام کرانے کی تدابیر کرتی نظر آ رہی ہے۔ ایک طرف تو جماعت اسلامی اچانک ایران میں ملوکیت کے خاتمے کو اسلام کی فتح قرار دے کر مبارکبادیاں وصول کر رہی ہے دوسری طرف سعودی عرب کی ملوکیت سے مودودی کے لئے اسلامی خدمات کا اعلیٰ تمغہ وصول کر رہی ہے جو آخر دم تک ایرانی ملوکیت کی حمایت میں امریکی صدر جمی کارٹر کی ہمنوا رہی، اسلامی سوشلزم کو کفر کہنے والی، اسلام کو مکمل ضابطۂ حیات قرار دینے والی جماعت اسلامی، سعودی عرب کی ملوکیت کو اسلامی ملوکیت کے سانچے میں ڈھال کر قابل قبول بنانے کی تاویلیں کرتی نظر آتی ہے اور اس کے باوجود وہ اس بات پر اصرار کرتی ہے کہ پاکستان میں مودودی برانڈ کے اسلام کو ایرانی عوام کے اسلام کا ہم معنی سمجھا جائے، پی این اے کی تحریک کو ایرانی عوام کی لالہ فام تحریک کے ہم رنگ سمجھا جائے۔

تضادات کے تسلسل کی اس بنیاد پر جماعت اسلامی کے کردار پر غور کیا جائے تو وہ مادر زاد برہنہ نظر آتی ہے۔ اس کی ممدوح اسلامی حکومت کا سربراہ امریکی ٹیلی ویژن کو انٹرویو دیتے ہوئے صدر کارٹر سے رنجیدگی اور شکایات کا اس بنا پر اظہار کرتا ہے کہ اگر امریکہ نے ایران کے حالات کو ایک سپر پاور کے رویّے سے سنبھالنے کی کوشش کی ہوتی تو ایران میں یہ صورت حال نہ پیدا ہوتی۔ گویا ایران میں ملوکیت ختم نہ ہوتی اور جماعت اسلامی جس اسلامی انقلاب پر خوشی سے پھولے نہیں سما رہی وہ رونما نہ ہوتا۔ جماعت اسلامی کی منافقت اور نام نہاد اسلام پسندی کا پول تو اسی بات سے کھل جاتا ہے کہ وہ اپنے ممدوح کے اس بیان پر معمولی سا احتجاج تک نہیں کر سکی۔ کوئی نہیں جانتا کہ میاں طفیل محمد کی سربراہی میں نام نہاد اسلامی انقلابات کی تحریکوں کا قافلہ ایران جا کر آیت اللہ خمینی کو کس بات کا یقین دلانا چاہتا ہے۔ پاکستان کے اسلام کے فلسفے سے آگاہ کرنا چاہتا ہے یا مرگ شاہ پر تعزیت پیش کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، کچھ بعید نہیں کہ وہ جناب آیت اللہ خمینی کے لئے مولانا مودودی کی "تصانیف" کا ایک سیٹ بھی لے کر گئے ہوں جن پر نہ تو مولانا مودودی عمل کر سکے ہیں نہ ان کے پیروکار۔ لوگوں کو تو یہ بھی معلوم نہیں، ایران کے "سفر اسلامی" کا خرچہ کون ادا کرے گا۔ میاں طفیل محمد لاکھ چندا مانگ لیں، بات قومی خزانے کی ہے جو یقیناً جماعت اسلامی کا بیت المال نہیں۔

*

شہر خاموش، صرف پریس کانفرنسیں ہو رہی ہیں

اٹک ** عامر احسان نقاد

"سنہری کاغذوں" والے کیمبل پور پر اب "سونے کا پانی" چڑھا کر اسے اٹک بنا دیا گیا ہے لیکن غریب اب بھی کیمبل پور کے گن گا رہا ہے اور کیوں نہ گائے کہ ۵ جولائی کے بعد اسے گن گانے کے سوا کچھ نہیں ملا۔

اٹک میں الیکشن کی خبر بڑی گردش میں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جلد ہی الیکشن ہوں گے اور جب وجہ پوچھی جاتی ہے تو جواباً کہا جاتا ہے کہ سردار شوکت حیات ووٹ حاصل کرنے کے بعد کبھی کبھار ہی منہ کا "ذائقہ" بدلنے کے لئے اٹک میں آتے ہیں۔ ان کے منہ کا "ذائقہ" انہیں ہر جگہ لے ڈوبتا ہے۔ پارٹیاں بدلنے کو بھی لوگ منہ کا ذائقہ بدلنے سے تشبیہ دیتے ہیں اور اسی "ذائقے" میں وہ "رل" رہے ہیں اور ان کے پرانے حریف سید عاشق کلیم دن بدن اپنی مقبولیت میں اضافہ کر کے سردار برادران کی ریاست کی قلعہ بندیوں کو توڑ رہے ہیں۔

پچھلے دنوں شہر کے کئی لیڈروں نے شہر میں اور بیرونِ شہر پریس کانفرنسیں کیں جن میں پروگریسو پیپلز پارٹی کی سنٹرل ایگزیکٹو کمیٹی کے رکن اور ضلعی صدر شیخ آفتاب، پیپلز پارٹی کی صوبائی مجلس عاملہ کے رکن ملک محمد اسلم آف شمس آباد اور سابق صوبائی مشیر سید عاشق کلیم کی پریس کانفرنسیں شامل ہیں۔ شیخ آفتاب نے اپنی پریس کانفرنس میں جناب ذوالفقار علی بھٹو کی جان بخشی اور جلد الیکشن کروانے کا بھی مطالبہ کیا

ملک محمد اسلم خان آف شمس آباد نے بھی جناب ذوالفقار علی بھٹو کی جان بخشی کی اپیل کی۔ انہوں نے اس مسئلے پر ریفرنڈم کرانے کی تجویز پیش کرتے ہوئے کہا کہ عوام میں ریفرنڈم کروا کر دیکھ لیا جائے کہ عوام کیا چاہتے ہیں۔ انہوں نے اسلامی جمعیت طلبا کے ناظم کے بیان کی سختی سے تردید کی۔

سابق صوبائی مشیر سید عاشق کلیم نے اپنی پریس کانفرنس میں اس بات کی مذمت کی کہ جس جماعت کو عوام کئی مرتبہ رد کر چکے ہیں اسے حکومت میں شامل کر لیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ذرائع ابلاغ کا ایک ہاتھوں میں چلا جانا بھی اچھا اقدام نہیں۔

جناب ذوالفقار علی بھٹو کی اپیل کے فیصلے کے بعد اسکولوں کے طلباء نے ان کی رہائی کے لئے نعرے لگائے جس پر پولیس ایک طالب علم رہنما اور ایک دکاندار کو پکڑ کر لے گئی۔ اس سے قبل مقامی کالج کے طلباء نے بھی جناب بھٹو کی رہائی اور طالب علموں کی رہائی کا مطالبہ کیا۔

مقامی پیپلز پارٹی اور پی ایس ایف کے گرفتار ہونے والے کارکنوں اور لیڈروں میں سے بیس کو ضمانت پر رہا کر دیا گیا ہے جن میں ہفت روزہ "انقلاب" کے نمائندے رانا شاہد علی خان اور مشہور وکیل شیخ احسن بھی شامل ہیں۔ ابھی تک قید میں رکھے گئے لیڈروں میں سابق سینیٹر اور پی پی پی سنٹرل ایگزیکٹو کمیٹی کے رکن نصیر وحید اختر، پی پی پی اٹک سٹی کے صدر شیخ کریم بخش اور مشہور رہنما سردار جاوید ایڈووکیٹ شامل ہیں۔

آزاد کشمیر

سید نذیر گیلانی

آئین سپریم لاء نہیں سرکاری ملازمین کے تابع ہے

وہ خشک دودھ اور کمبلوں کی امداد کا ایک چوتھائی حصہ ہڑپ کر گئے

جہاں تک آزاد کشمیر کی آئینی حیثیت کا تعلق ہے یہ علاقہ ریاست جموں و کشمیر کا وہ حصہ ہے جسے آزادی کی جنگ میں آزاد کرایا گیا اور ریاستی عوام کی آزادی میں اس علاقے نے ایک بیس کیمپ کا کردار ادا کرنا ہے۔ اس علاقے کا اپنا آئین، اپنا صدر، وزیراعظم، ایک الگ پرچم، علیحدہ سپریم کورٹ اس بات کی واضح دلو قامت نشانیاں ہیں کہ اس کی یہی حیثیت برقرار رکھنی تحریک آزادی اور بین الاقوامی مسلمہ اصول کی بالادستی کے لئے بہت ضروری ہے۔ ان آثار میں سے کسی ایک کا مٹ جانا تمام ممکنہ امیدوں کا خون بہانا ثابت ہو سکتا ہے۔ اگرچہ سطحی طور پر یہ دلو قامت اور ہمالیہ صفت نشانیاں اطمینان اور سکون کا باعث ہیں مگر آزاد کشمیر کا آئین اصل میں ایک "آئینچہ" ہے۔ اس کی اپنی کوئی حیثیت نہیں اور اس کی ترتیب وزارت امور کشمیر کے سرکاری تنخواہ داروں کی منظوری کی تابع رہی ہے۔ یہاں اگر آزاد کشمیر کے آئین کی بالادستی کو زیر دست ہونا پڑتا ہے۔ یہی حال یہاں کی عملی زندگی کا ہے۔ اس زیردستی کا سارا گناہ وزارت امور کشمیر کی گردن پر لادنا بھی درست نہیں کیونکہ ہمارے سیاسی رہنماؤں نے زیر دست رہنے کی مناسب قیمت وصول کی ہے۔ اس طرح "یک در دو دست و دگر پردہ دار" ایک چہرہ ہے اور دوسرا پردہ داری کی نوکری میں مصروف ہے لیکن مقبوضہ کشمیر کے مسلمان بھارتی سیاستدانوں اور بین الاقوامی برادری کو ہم نے ہر قیمت پر یہ عملاً اور شواہد کے ساتھ ثابت کر دکھانا ہے کہ آزاد کشمیر کے عوام، یہاں کی سوچ، سیاست، اور یہاں کا میدان عمل مقبوضہ کشمیر کی عملی زندگی، عملی سیاست، سوچ سے بالکل مختلف اور افضل ہے۔ آزاد کشمیر کو مقبوضہ کشمیر سے کسی بھی میدان میں پیچھے رکھنا غفلت ہی نہیں بلکہ تاریخ کے عمل کے ساتھ متصادم رہنا ہے کسی بھی کشمیری کو پاکستان اور آزاد کشمیر کے روابط و رشتے پر اعتراض نہیں بلکہ آزاد کشمیر کا علاقہ پاکستان کی بھرپور مالی، اخلاقی اور دوسری امداد کے بغیر اپنی حیثیت برقرار بھی نہیں رکھ سکتا، لیکن پاکستان کی ہر قسم کی امداد اور تنظام ریاست میں تعاون کے باوجود اگر یہ علاقہ کوئی نمایاں پیش رفت نہ دکھا سکے، تو یہ پست حوصلگی نہ صرف قابل اعتراض بلکہ باعث ندامت ٹھہر سکتی ہے۔

آخر آج ایسی صورت حال کیوں پیش آ رہی ہے؟ اس کی اصل وجہ ہماری ناقص حکمت عملی اور بے مقصد منصوبہ بندی ہے۔ یہ ہماری بے مقصد منصوبہ بندی کا نتیجہ ہی ہے کہ اب مقبوضہ کشمیر کے عوام کے ساتھ رابطے کا واحد ذریعہ، ریڈیو آہستہ آہستہ دم توڑ رہا ہے۔ چونکہ ان کشمیری اسٹیشنوں کی اصل بنیادیں ہی غیر فطری یعنی ان نیچرل تھیں، اس میں انوالومنٹ کا بنیادی عنصر ہی غائب رہا یہ ادارے ایسے لوگوں کی سرپرستی میں رہے اور ان کی قیادت ایسی شخصیات نے کی جنہوں نے کشمیر کا کتابی مطالعہ کیا تھا۔ کتابی زعفران زاروں کی منظر کشی اور آنکھوں دیکھی کھیتیوں کی سچائی کا معیار ایک نہیں ہو سکتا۔ یہ بالکل ایسی ہی مثال ہے کہ کوئی کسی کے ہاتھ اپنی محبوبہ کو پیغام اور نامہ بھیجے، ہرکارہ واپسی پر صرف کاغذ کی جوابی پرچی لا سکتا ہے لیکن وہ محبوبہ کے چہرے پر خوشی، اضطراب یا دوسرے ناقابل تشریح احساسات کا اصلی خاکہ اور صحیح رُخ پیش نہیں کر سکتا۔ یہی بات کشمیر کی صبح کی ہے۔ ظاہر ہے کہ ڈل کے کنارے بیٹھ کر دیکھی جانے والی صبح اس صبح سے مختلف ہو گی جو کوئی نائر بابا شکر الدین کی پہاڑی پر بیٹھ کر دیکھے! اسی طرح درگاہ حضرت بل کی صبح اور ڈلگر کے کنارے کی صبح میں کس قدر اختلاف ہو گا۔ گلمرگ کی شام کا لنگر ناگ میں پڑنے والی شام سے کسی بھی طرح رشتہ نہیں ہو سکتا، وادی لدرون اور وادی لولاب کی بہاروں کا انداز اور بانکپن اپنا اور ایک دوسرے سے حسین تر۔ پھر کشمیری دیہات کی دوشیزہ، کھیتی باڑی اور کاشت میں مصروف حبہ خاتون کے گیت مدھر مدھر اور رسیلی آواز میں جب گنگناتے وہ شہر کی اس دوشیزہ سے بالکل الگ ہوں گے جو بادامی باغ اور ہاروان میں پکنک کے لئے آئی ہو، پھر ہمارے آبشاروں لہلہاتے کھیتوں، باغ و بہار، کھیت، جنگل دریا، ندی، پھول اور سبزہ، جہلم، شہر و دیہات کا کتابی مطالعہ کسی بھی شخص کو سیلف انوالومنٹ کی معراج تک نہیں لے جا سکتا۔ یہ عمل غیر فطری مکمل طور پر ان نیچرل اور بے اثر ہو گا۔ اسی طرز عمل اور فکر نے ریڈیو آزاد کشمیر،

کراچی کے ممتاز ادیبوں، صحافیوں اور دانشوروں نے ترقی پسند روشن خیال اور محب وطن طالب علم رہنماؤں کی بلاجواز گرفتاریوں پر انتہائی تشویش کا اظہار کیا ہے انہوں نے ایک اخباری بیان میں نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے صدر جان عالم اور ان کے ساتھیوں وصی اللہ محمود الحسن، اکرم قائم خانی، جعفر الحسن، علی عباس، خاقان مرزا، عبدالرشید اسلام الدین کو ایک کنونشن کے اجلاس کے دوران پولیس کی طرف سے کسی وارنٹ کے بغیر گرفتار کرنے پر سخت احتجاج کیا ہے اور مارشل لاء انتظامیہ سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ قیام پاکستان کی دشمن جماعت اسلامی کے ہاتھوں میں کھیل کر معاشرے میں نفرت کی دیواروں کو بلند نہ کرے بیان میں کہا گیا ہے کہ ان طالب علم رہنماؤں نے کوئی بھی قابل اعتراض کارروائی نہیں کی تھی اور نہ وہ کسی ملک دشمن سرگرمی میں ملوث تھے جماعت اسلامی کے مخبروں کے اشارے پر پولیس اس مکان میں بلا اجازت گھس گئی جہاں ان محب وطن طالب علموں نے اپنے کنونشن

مظفر آباد، ریڈیو آزاد کشمیر تراڑ کھل اور ریڈیو پاکستان کی کشمیری اور کشمیر سے متعلق اردو اور گوجری نشریات کی اصل بگاڑ کر اس ساری کوشش کو ان نیچرل بنا دیا ہے۔ ان اسٹیشنوں پر تخلیقی عمل، فکر کی نئی تحریک رک گئی ہے اور یہ اب بجائے قومی خدمت کے نقصان اور بے اعتیاری کا باعث بن رہے ہیں۔

یہ ضروری نہیں کہ کشمیر کے بارے میں معاہدہ شملہ کے بعد سیاسی جنگ چھیڑ کر بھارت کو ناراض کیا جائے۔ اول تو یہ معاہدہ اور ایسی ناراضگی کی حد کشمیریوں پر عائد نہیں ہوتی اور اگر بھارت اس قدر با اثر اور با اختیار ہے کہ وہ ہمیں ایک ایسے حق سے روکنے کی سعی کرے، جو الٰہ! ان کا بنیادی حق ہے تب بھی ہم بھارت کو شعر، نظم، نثر، میوزک اور ہر ادب کی دوسری صنف میں اتنا پریشان کرنے کہ وہ ہماری اہلیت کا لوہا مانتا لیکن جو لوگ ان اسٹیشنوں کے سربراہ ہیں اگر ان کی ترتیب کا جائزہ لیا جائے تو آج تک ان اسٹیشنوں کی سربراہی' کشمیریوں کے لئے حرام نظر آتی ہے کشمیریوں کو پروگرام مینجری کے عہدے سے بڑا عہدہ آج تک نہیں دیا گیا اور اگر کسی باصلاحیت کشمیری نے ان اداروں کی طرف رخ کیا تو انہیں ذلیل ہونا پڑا۔ یہاں ایک مثال نہایت ہی موزوں رہے گی۔ اے پی پی کے غلام محمد خان جب کسی زمانے میں ریڈیو تراڑ کھل کے پروگرام آرگنائزر مقرر ہوئے تو ان کے خلاف ایک سازش ہی نہیں بلکہ بھونڈی بددیانتی ہوئی۔ ان کے مقابلے میں ایک غیر کشمیری کو جعلی طور پر کشمیری بنا کر اسٹیشن ڈائریکٹری کا سودا ہوا۔ اس طرح بے چارہ کشمیری کک آؤٹ ہوا۔ پھر اہل اقتدار کو کشمیری ٹیلنٹ کا شکوہ رہا لیکن اگر ان سے پوچھا جائے کہ سابق وزیر اعظم کے مشیر مسٹر یوسف بچ امریکہ میں صاحب قلم اور اہل نظر قرار پائے مگر نہ جانے آپ کے کشمیری معیار پر وہ کیوں پورے نہیں اترے۔ پھر مشہور کشمیری ادیب اور دانشور صحافی جناب میر عبدالعزیز کو ہی اگر ٹھیکہ دیا جائے تو وہ یہ تینوں اسٹیشن صحت مند طریقے سے چلانے کے اہل ہیں اور شاید کم از کم کشمیر، کشمیریت اور معیار کو شکوہ بھی نہ رہے! اسی طرح جناب پروفیسر ایم اے عزیز اور دوسرے لوگ جن کی ہر ادا علم و ادب ہے نہ جانے پاکستان کے سورج کی روشنی میں نظر کیوں نہیں آتے۔ ہماری یہی بدقسمتی ہے کہ سورج کی روشنی کشمیریوں پر صحیح نہیں پڑتی اور اندھیرے میں غیر کشمیری پکڑائی دیتے ہیں۔ اور اگر ارباب اقتدار کو کشمیری ریگستان میں ریت ہی ریت اور سراب نظر آتا ہے تو اس کا مفت اور بامقصد علاج یہی ہے کہ حکومت آزاد کشمیر کی عدالت عالیہ کے صاحب نظر چیف جسٹس مسٹر جسٹس خواجہ محمد یوسف صراف کی خدمت میں دو زانو بیٹھ کر کشمیری ٹیلنٹ کی نشاندہی کرائی جائے۔ صراف صاحب نے شاید اپنی کتاب کے دوسرے حصے میں اس بیماری کے جراثیم کا اتہ پتہ لگایا ہو، اگر کسی وجہ سے یہ معاملہ ان کی نظر سے اوجھل رہا ہو تب بھی وہ ان ریڈیو اسٹیشنوں کی صحت کے بارے میں مناسب مشورہ دے سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ریاست کے بزرگ ترین شاعر جناب آذر عسکری نے گذشتہ تین سال سے ریڈیو مظفر آباد کا بائیکاٹ کر رکھا ہے حد تو یہ ہے کہ اس اسٹیشن پر خبرے اور خبریں نچوانے کے لئے اہتمام اور انتظام تار رکھی رہے ہیں مگر ایک بزرگ شاعر کی دل آزاری کو اب تمام کرنے کے لئے کوئی تحریک نہیں ہو سکی یہی وجہ ہے اور شاید اسی خاص ضرورت اور صفت بامقصد کے تحت اس اسٹیشن کے ڈائریکٹر اب تک بھانگڑا ناچ رہے ہیں۔ یہاں آکر موجودہ حکومت کا احتساب بشریت کو تھام کر دل کا نذرانہ پیش کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

اسی اسٹیشن کا پروگرام مینجر اب خیر سے امریکہ میں دندناتا احتساب کا مذاق اڑا رہا ہے۔ آزاد کشمیر کے عوام کے لئے خشک دودھ اور گرم کمبلوں کی امداد کا ایک چوتھائی حصہ مبینہ طور پر یہ ذات شریف لوکل سیاست میں اپنا اثر قائم کر کے کھا گئے اور اب امریکہ سے گرجتے ہیں کہ سندر ہے۔ ظاہر ہے کہ کشمیر کی لاوارث بہتی گنگا میں ہر غیر کشمیری نے ہاتھ دھوئے ہیں۔ مگر یہ لوگ پاؤں بھی دھو آتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ ذاتی مفاد کے پابند ہو کر رہ جاتے ہیں ان کا اصل مقصد نوکری کا بھرپور استفادہ ہوتا ہے۔ چونکہ ان کی کشمیر اور کشمیریوں کے ساتھ کوئی قدر مشترک نہیں ہوتی یہ لوگ ایک گھناؤنی بے اعتنائی کا شکار رہتے ہیں۔ پھر یہ نہ ہی تخلیقی عمل کا سوچتے ہیں اور نہ ہی کشمیری ادب ثقافت اور سیاست کی اصل برقرار رکھنے کی فکر کرتے ہیں۔ اسی طرح اب ان اسٹیشنوں کے بجٹ کا قریباً (۷۰) فیصد ایسے پروگراموں پر صرف کیا جا رہا ہے جن کا کشمیر کے ساتھ کوئی تعلق نہیں اس کے برعکس اردو اور پنجابی پروگراموں کے بازار سے کمرشل ریکارڈ بھی دستیاب ہیں۔ علاوہ اس کے یہ پروگرام دوسرے اسٹیشنوں سے بھی وقتی طور پر مل سکتے ہیں جبکہ کشمیری کے لئے نہ ہی کمرشل ریکارڈ موجود ہیں اور نہ ہی یہ پروگرام دوسرے پاکستانی اسٹیشنوں سے حاصل کئے جا سکتے ہیں، حد یہ ہے کہ اس کے باوجود بھی کشمیری کا بجٹ بہت کم ہے۔ اس تفصیل کے بارے میں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ جان بوجھ کر کشمیری اسٹیشنوں پر ایک ان نیچرل کیفیت پیدا کی جا رہی ہے تاکہ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ کشمیری حوصلہ ہار جائیں اور ان میں اس حد تک کم حوصلگی پیدا کی جائے

جانِ عالم اور دیگر طلبا کو رہا کیا جائے

ادیبوں اور صحافیوں کا مطالبہ

کی تیاریوں کے لئے اجلاس بلایا تھا۔ ان ادیبوں، دانشوروں اور صحافیوں نے موجودہ حکومت پر زور دیا ہے کہ وہ ان طالب علم رہنماؤں کی فوری رہائی کے احکامات صادر کرے ورنہ طالب علموں اور نوجوانوں میں یہ امر اشتعال کا باعث بن جائے گا کہ ایک مخصوص جماعت سے وابستہ طالب علموں کو تو ہر قسم کے اجلاس اور اقدامات کی آزادی ہے جبکہ ترقی پسند اور محب وطن طلباء کسی گھر کی چہار دیواری میں بھی اپنے کنونشن کے پروگرام تیار کرنے کے لئے اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ حکومت کے پاس اگر ان طالبعلم رہنماؤں کے خلاف کوئی ثبوت موجود ہیں تو کھلی عدالت میں مقدمہ چلائے۔

اس بیان پر مندرجہ ذیل افراد کے دستخط ہیں:-

منہاج برنا۔ احفاظ الرحمٰن، ظفر رضوی، افضل صدیقی، بشیر احمد رانا، محمود شام، ارشاد راؤ۔ وہاب صدیقی۔ بصیر نوید مجاہد بریلوی، اشرف شاد، نظام صدیقی، عابد علی سید، ظفر قریشی نثار اعظمی، ظفر علی انجم، فہمیدہ ریاض، ابوطالب نظامی، قطب الدین، شہریار جلیس، فاروق پراچہ، علی حسین جمالی، صدیق بلوچ اور داؤد سبحانی۔

کہ وہ اپنی ثقافت سے بھی بیزار ہو جائیں۔ اگر یہ ایک غفلت اور ناقص منصوبہ بندی ہے تو اسے تبدیل کیا جائے اور اگر یہ کسی بُری نیت کا منصوبہ اور بُرے عزائم کی بسم اللہ ہے تو اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے ہم حکومت پاکستان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ آزاد کشمیر ہائی کورٹ کے کسی جج کی سربراہی میں کشمیری، پاکستانی دانشوروں اور نمائندوں کی ایک جائزہ کمیٹی قائم کی جائے جو تینوں کشمیری اسٹیشنوں میں ہونے والے پروگراموں کا جائزہ لے کر رپورٹ پیش کرے۔ موجودہ صورت میں ریڈیو پاکستان کے حکام بھی اپنے طور پر ایک غیر جانبدار ٹیم کی مدد سے اصل حالات اور حقائق کی تہہ تک پہنچ سکتے ہیں۔ یہ ٹیم ہر پروگرام کی افادیت، بجٹ اور شریک پروگرام حضرات کی علمی اور دوسری اہلیت کا ایک مکمل جائزہ لے کر شاید اس نتیجہ پر آسانی سے پہنچ سکتی ہے کہ یہ سارا کاروبار کوے کے منہ میں پنیر کا ٹکڑا ہے۔ یا تو ان اسٹیشنوں کی اصلیت بحال کی جائے یا انہیں بند کر دیا جائے کیونکہ یہ اسٹیشن جو پروگرام پیش کر رہے ہیں اس سے ہزار درجہ بہتر پروگرام پاکستان کے دوسرے اسٹیشنوں سے نشر ہوتے ہیں۔ اگر ان میں کشمیریت بحال کرنی ناممکن ہے تو اس گناہِ بے لذت کو اب ختم کرنا ممکن تو ہے۔ کیونکہ یہ پروگرام تو وہی ہیں جو باقی اسٹیشن نشر کرتے ہیں صرف فرق ابتدائی اناؤنسمنٹ اور اختتامی اعلان کا ہے۔ باقی یہ بچہ کشمیری نہیں۔ اسے کشمیری کہنا بیسویں صدی کا سب سے واضح اور بڑا جھوٹ ہے •

پیکو کے ۱۳ مزدوروں کو کوڑوں اور قید سخت کی سزائیں

لاٹھی چارج اور تھانوں میں شدید تشدّد

پیکو فیکٹری پاکستان کا ایک اہم صنعتی ادارہ ہے جو لاہور میں کوٹ لکھپت جیل سے تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر واقع ہے اس فیکٹری کے پاکستان میں چار یونٹ ہیں جن سے کم و بیش ۷ ہزار محنت کش خاندانوں کا مستقبل وابستہ ہے

پیکو فیکٹری قومی ملکیت میں لیے جانے سے پہلے جب ملک کے سب سے بڑے غاصب اور سرمایہ دار۔ لیٹرے سرمایہ دار عارف لطیف کے قبضے میں تھی مزدوروں پر بے پناہ ظلم ڈھائے جاتے تھے معاشی قتل عام کے لیے معمولی شکایت بھی کافی ہوتی تھی چھانٹیاں اور برطرفیاں روزمرہ کا معمول تھا اور تو اور اوقاتِ کار میں فریضہ نماز کی ادائیگی پر نمازیوں کے منہ پر تھپڑ مارے جا رہے تھے چنانچہ ایسے ہی حالات میں مزدوروں نے جب ۶۹-۱۹۶۸ء میں ملک کی نجات کے لیے اپنی پرجوش تحریک شروع کی تو ملک میں آزادانہ انتخابات کی ضرورت محسوس کی جانے لگی۔ یہی وہ انتخابات تھے جن میں پاکستان پیپلز پارٹی بھاری اکثریت کے ساتھ کامیاب ہوئی تھی اور بعدازاں اسی حکومت کا یہ کارنامہ تھا کہ دوسرے اہم صنعتی اداروں کی طرح پیکو کے مزدوروں کو بھی سرمایہ داروں کے ظلم سے نجات ملی۔

جناب بھٹو سے مزدوروں کی عقیدت صرف اس وجہ سے نہیں کہ انہوں نے مزدوروں کو سرمایہ داروں سے نجات دلائی بلکہ اس لیے بھی کہ جناب بھٹو ہی کے دورِ حکومت میں مزدوروں کی تنخواہوں میں اضافہ ہوا اور زندہ رہنے اور ترقی کرنے کے لیے بہتر مراعات اور سہولتیں حاصل ہوئیں اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ لاہور ہائیکورٹ نے جب جناب ذوالفقار علی بھٹو کو سزائے موت کا حکم دیا تو اس کا سب سے زیادہ یہ موقف بھی پیش کیا کہ ایک فردِ واحد کی آمریت میں عدلیہ آزاد نہیں ہو سکتی لہٰذا انتخابات کرائے جائیں اور جناب بھٹو پر مقدمہ چلانے کا حق نمائندہ حکومت کو دیا جائے مزدوروں کے اس موقف اور اس ردِعمل کی بناء پر مزدور رہنماؤں کے خلاف قانون حرکت میں آگیا مقدمے قائم کیے جانے لگے اور چار مزدوروں کو کسی جرم اور چارج شیٹ دیئے بغیر گرفتار کر کے کوڑے لگا دیے گئے۔

فوجی حکومت کے اس اقدام سے ملک بھر کے مزدوروں میں بے چینی پھیلنی ایک لازمی امر تھا چنانچہ پیکو کے مزدوروں نے حکومت کے ظالمانہ رویے کے خلاف احتجاجاً ہڑتال کر دی اور جلوس نکالا جس پر اندھا دھند لاٹھی چارج کر کے بیسیوں مزدوروں کو زخمی کر ڈالا گیا اور مزید ۱۳ مزدور گرفتار کر لیے گئے مگر مزدوروں کے حوصلے اس اقدام سے بھی پست نہ کیے جا سکے مزدوروں نے اعلان کیا کہ جب تک ان کے تمام ساتھیوں کو رہا نہیں کیا جاتا احتجاج جاری رہے گا حکومت کو یہ مطالبہ ماننا پڑا اور تمام محنت کش رہا کر دیئے گئے

جدوجہد کا دوسرا دور اس وقت شروع ہوا جب مارشل لاء حکومت نے ملک کے بدنام اور رسہ گیر سرمایہ داروں کو حکومت میں حصہ دار بنایا اور ان کے مشورے پر قومیائی ہوئی بعض صنعتوں کی واپسی کا آرڈیننس جاری کیا مزدوروں نے اس آرڈیننس کے خلاف ملک بھر میں جدوجہد منظم کی اور اسے منسوخ کرا کے دم لیا۔

حکومت کے لیے یہ صورت حال بے حد تکلیف دہ تھی چنانچہ انتظامیہ محکمہ محنت اور نوکر شاہی کے گٹھ جوڑ سے اپنے ٹاؤٹوں کے ذریعے جعلی قیادت کو مزدوروں پر مسلط کرنے کی سازش کی اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پیکو کے مزدور ایک مرتبہ پھر مشتعل ہو گئے مزدوروں نے ۱۳، اور ۲۲ جنوری کو ہڑتال بھی کی اور مظاہرہ بھی کیا مگر ان کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی اور ۳ فروری کو مزدوروں کے اجتماعی فیصلے کو نظرانداز کر کے زرخرید ایجنٹوں کو قیادت دے دی۔ ۱۴ فروری کو ایک مرتبہ پھر ہڑتال کر دی گئی یہ دن قائدِ عوام کی نظرثانی کی اپیل کی سماعت کا دن بھی تھا چنانچہ مزدوروں نے قائدِ عوام کے حق میں نعرے لگانے شروع کر دیئے یہ ایک ایسا جرم تھا جسے حکومت کسی قیمت پر معاف نہ کر سکتی تھی چنانچہ ۱۵ فروری کو ۱۳ مزدوروں کو گرفتار کر لیا گیا اور کوئی مقدمہ چلائے بغیر مزدوروں کو ۱۷ فروری کو ایک ایک سال قید، دس دس کوڑوں اور دس دس ہزار جرمانے کی سزائیں سنا دی گئیں ۱۵ فروری کو جن مزدوروں کو گرفتار کیا گیا ان پر تھانوں میں تشدد بھی کیا گیا نئے سرمایہ دارانہ اسلام کے نفاذ کے ساتھ جن مزدور رہنماؤں کے خلاف مقدمات قائم کیے گئے وہ روپوش ہو چکے ہیں اور انہوں نے واضح طور پر کہہ دیا ہے کہ جب تک وحشیانہ سزائیں ختم نہ ہوں گی، جب تک ملک کا اقتدار منتخب نمائندوں کے حوالے نہیں کیا جاتا عام انتخابات کی حتمی تاریخ کا اعلان نہیں کیا جاتا مزدوروں کی جدوجہد جاری رہے گی۔ ✱✱

تعلیمی ادارے کھولے جائیں

جامعہ کراچی کی سنڈیکیٹ کا مطالبہ

رفیق پٹیل

"حکومت نے یونیورسٹی کوڈ اور ایکٹ کی خلاف ورزی کی ہے"

۶ فروری کو سپریم کورٹ کی جانب سے بھٹو کے فیصلے کے اعلان سے ایک روز قبل شام کو ایک اعلان کے ذریعے تعلیمی ادارے بند کر دیئے گئے اور طلباء سے ہوسٹل خالی کرالئے گئے۔ اس اعلان کے فوراً بعد ہی طلباء تنظیموں کا ردعمل اخبارات میں شائع ہوا اور تقریباً تمام طلباء تنظیموں نے اس طرح سے اچانک جبری طور پر تعلیمی اداروں کی بندش کی مذمت کی۔ بیانات کا یہ سلسلہ پورے زور شور سے اب تک جاری ہے لیکن ان بیانات پر حکومت نے کسی قسم کا کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا۔ ایسا لگتا ہے کہ حکومت اس سلسلہ میں کسی قسم کی وضاحت سے گریز کر رہی ہے۔ یہ بات تو تقریباً ہر شخص جانتا ہے کہ تعلیمی ادارے بھٹو کیس کے فیصلے پر ایجی ٹیشن کے خوف سے بند کئے گئے ہیں لیکن تعلیمی ادارے بند کرنے کی اب تک کوئی وجہ نہیں بتائی گئی اور اب بیشتر طلباء تنظیموں کی سرگرمیاں تعلیمی ادارے کھلوانے کے سلسلے میں ہی ہو رہی ہیں۔ تعلیمی اداروں کے بند ہونے پر طلباء کے شدید ردعمل کے ساتھ ساتھ انجمن اساتذہ جامعہ کراچی نے اپنے بیان میں اس بندش پر شدید احتجاج کیا اور اسے تعلیمی اداروں کی خودمختاری پر ضرب قرار دیا۔ انہوں نے اس بات پر حیرت ظاہر کی کہ جامعہ اور اس کے ملحقہ تعلیمی اداروں کو چلانے کا اختیار جامعہ کی سنڈیکیٹ کو حاصل ہے پھر کس قانون کے تحت ان اداروں کو بند کیا گیا ہے۔

حکومت نے یہ سلسلہ تعلیمی ادارے بند کرنے پر ہی ختم نہیں کیا بلکہ بندش کے بعد کئی طالبعلموں کو گرفتار کیا گیا۔ گرفتار ہونے والے طلباء میں پیپلز اسٹوڈنٹس فیڈریشن، نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن اور پروگریسو فرنٹ کے رکن طلباء شامل ہیں۔ نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے جان عالم، محمود الحسن، اکرم قائم خانی، وصی اللہ شیخ، خاقان مرزا، محمد رشید، علی عباس اور اسلام الدین کو اکرم قائم خانی کے گھر پر ہونے والی میٹنگ کے دوران اسلامی جمعیت طلباء کی رپورٹ پر گرفتار کرلیا گیا۔ ان گرفتاریوں پر بھی شدید بے چینی پائی جاتی ہے جس کا اندازہ ان گرفتاریوں کی مذمت اور رہائی کے مطالبات کے بیانات سے کیا جا سکتا ہے۔

ادھر گزشتہ دنوں ہونے والی پریس کانفرنس میں انجمن طلباء جامعہ کراچی کے صدر نے تعلیمی اداروں کی بندش پر اپنا پورا موقف پیش کیا۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ طلباء و طالبات کا قیمتی وقت بچانے کے لئے فوری طور پر تعلیمی ادارے کھولے جائیں۔ انہوں نے کہا کہ کسی بھی مہذب معاشرے میں ملک کے کسی فرد کے لئے حصول علم کی راہ میں رکاوٹیں پیدا نہیں کی جا سکتیں جبکہ طلباء نے ہمیشہ تعمیری رویّہ اختیار کیا اور جمہوری اقدار اور روایات کو برقرار رکھنے کی جدوجہد کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ سنڈیکیٹ اور اکیڈمک کونسل کی منظوری کے بغیر جامعہ اور دیگر تعلیمی اداروں کی بندش سے جامعہ کی خودمختاری متاثر ہوئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ پہلے ہی طلباء کا بے انتہا وقت ضائع ہو چکا ہے اور ہم تقریباً ایک سال پیچھے چل رہے ہیں وہ امتحانات جو دو سال میں پاس کرنا تھے تین سال میں بھی نہیں ہوں گے۔ اس لئے پبلک سروس کمیشن کے مختلف امتحانات میں شریک ہونے کی آخری حد ۲۵ سے بڑھا کر ۲۸ سال کی جائے۔ انہوں نے ہوسٹل خالی کرائے جانے کی بھی مذمت کی اور کہا کہ وقت نہ ہونے کے سبب بیرون کراچی کے طلباء کو انتہائی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ انہوں نے کہ جامعہ کی بندش کے دوران کے ہوسٹل کے اخراجات طلباء ادا نہیں کریں گے۔ طلباء کو آنے جانے کے اخراجات بھی یونیورسٹی کو ادا کرنے ہونگے۔ انہوں نے متنبہ کیا کہ اگر تعلیمی ادارے نہ کھولے گئے تو کراچی کے مختلف طلبا نمائندے اور طلباء تنظیمیں مشترکہ طور پر آئندہ کا لائحہ عمل تیار کرنے پر مجبور ہو جائیں گی۔

۲۴ فروری کو جامعہ کراچی میں سنڈیکیٹ کا اجلاس ہوا۔ اجلاس سے پیشتر پروگریسو فرنٹ جامعہ کراچی کی جانب سے ایک یادداشت اراکین سنڈیکیٹ اور شیخ الجامعہ کو پیش کی گئی جس میں سنڈیکیٹ سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ اپنے اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے فوری طور پر جامعہ کراچی اور ملحقہ کالجوں کے کھولنے کا اعلان کرے اور سنڈیکیٹ کی منظوری کے بغیر جامعہ کی بندش کو توہین آمیز اور جامعہ اور اس کے اداروں کی خودمختاری پر ضرب کاری قرار دے۔ یادداشت میں کہا گیا کہ طلباء اساتذہ اور غیر تدریسی عملہ جامعہ بند کرنے کے مخالف ہیں جس کا اظہار وہ اپنے مسلسل بیانات کے ذریعے کر چکے ہیں، نہ ہی سنڈیکیٹ نے جامعہ بند کرنے کی منظوری دی پھر ایسا کون سا قانون ہے جس کے تحت جامعہ اور اس کے ملحقہ تعلیمی اداروں کو اس طرح سے بند کر دیا گیا ہے جبکہ یونیورسٹی کوڈ اور یونیورسٹی ایکٹ کے تحت تمام تر اختیارات اکیڈمک کونسل اور سنڈیکیٹ کو حاصل ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ ہوسٹل میں رہائش پذیر طلبا کو رات کے چند گھنٹوں کے نوٹس پر انتہائی ذلت آمیز طریقے سے نکال دیا گیا حالانکہ ان طلبا میں آزاد کشمیر اور گلگت جیسے دور دراز علاقوں کے طلباء بھی شامل تھے جن کو اس طرح سے نکالنا انتہائی بہیمانہ کارروائی تھی۔ سنڈیکیٹ سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ اس مسئلے پر کوئی ٹھوس قدم اٹھائے۔

سنڈیکیٹ کے اجلاس کے موقع پر انجمن طلبا جامعہ کراچی کے صدر مصطفین کاظمی جن کی سنڈیکیٹ میں نمائندگی کا مسئلہ اب تک

حل نہیں ہوا تھا، اجلاس میں آئے اور انہوں نے کہا کہ جب تک طلباء کی سنڈیکیٹ میں نمائندگی کا مسئلہ حل نہیں ہوگا وہ وہاں سے نہیں جائیں گے اس پر اجلاس کی کارروائی کافی دیر تک نہ ہو سکی۔ آخر کار اس وقت ایک کمیٹی بنائی گئی جس میں شیخ الجامعہ ڈاکٹر احسان رشید جسٹس آئی محمود رکن سنڈیکیٹ اور ڈاکٹر ترمذی ڈین آف سائنس رکن سنڈیکیٹ شامل ہیں، جو جلد از جلد طلباء کی نمائندگی کا فیصلہ کرے گی واضح رہے کہ عموماً صدر انجمن سنڈیکیٹ کا رکن ہوتا ہے لیکن یونین میں دو پارٹیوں کے ہونے کی وجہ سے یہ مسئلہ ابھی تک حل نہیں ہو سکا ہے اور اسے تقریباً ۹ ماہ ہو چکے ہیں) سنڈیکیٹ کے اجلاس میں حکومت پر زور دیا گیا۔ تعلیمی ادارے کھولنے پر ہمدردانہ غور کیا جائے۔ اجلاس میں ایک قرارداد میں مطالبہ کیا گیا کہ پبلک سروس کمیشن کے مختلف امتحانات میں شرکت ہونے کی آخری حد ۲۵ سال سے بڑھا کر ۲۸ سال کر دی جائے۔ ■

سرگودھا

مارشل لاء انتظامیہ مہمان بن کر آئی تھی

لیکن گھر کی مالکہ بن بیٹھی

محمد الطاف چغتائی

صرف عوام کا ہی فیصلہ "مثبت" ہوتا ہے - اصغر خان

تحریک استقلال کے سربراہ ریٹائرڈ ایئر مارشل اصغر خان نے ضلع سرگودھا کے طول و عرض کا دورہ کیا اور جگہ جگہ اجتماعات سے خطاب کیا۔ مارشل لاء انتظامیہ کے خلاف ان کے تند و تیز لہجہ نے ان کے اجتماعات کی حاضری بڑھا دی اور اکثر لوگوں نے ان کی زبان سے وہ کچھ سنا جس کے کہنے کی خود ان میں جرأت نہ تھی۔ تحریک کے سربراہ کی تقاریر ہر جگہ سخت تھیں اور اگر یہ تقاریر پیپلز پارٹی کا کوئی رہنما کرتا تو وہ یقیناً قید اور کوڑوں کا مستحق قرار پاتا۔

خوشاب میں تحریک استقلال کے سربراہ نے کہا کہ وہ عوام کو ساتھ لے کر سڑکوں پر نکل آئیں گے اور مارشل لاء کو الوداع کہہ دیں گے۔ انہوں نے کہا مارشل لاء انتظامیہ مہمان بن کر آئی تھی لیکن اب گھر کی مالکہ بن رہی ہے اور لوگوں کو مثبت نتائج اور حالات کے انتظار کا مشورہ دیا جا رہا ہے لیکن ہم بلا تاخیر انتخابات چاہتے ہیں کیونکہ ہمارا یہ ایمان ہے کہ عوام کا جو بھی فیصلہ ہوگا صرف وہی مثبت ہوگا اور وہی ہمیں قبول ہوگا تحریک کے صدر نے کہا چور دروازے سے اقتدار میں شامل ہونے والے وزراء عوام کو بے وقوف سمجھتے ہیں اور جنرل ضیاء کے ارد گرد کے لوگ انہیں گمراہ کرنا چاہتے ہیں لیکن حاکم وقت کو اپنا ذہنی توازن برقرار رکھنا چاہیئے اور پیشہ ور سیاست دانوں کے چنگل سے نکلنا چاہیئے جنہیں انتخاب کے ذریعے کبھی اقتدار نصیب نہیں ہو سکتا انہوں نے کہا جس وزارت کی بنیاد مونچھوں کی لمبائی پر ہو ہم اسے حرام سمجھتے ہیں۔ ریٹائرڈ ایئر مارشل نے کہا۔ انگلی، ہاتھ اور کان کاٹنے کا نام اسلام نہیں ہے اور ہم ان فتویٰ فروش ملاؤں کا فتویٰ قبول نہیں کرتے جو جنرل ضیاء کی گود میں بیٹھے ہیں، جنہوں نے قیام پاکستان کی مخالفت کی تھی اور جنہوں نے قائداعظم کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا تھا۔ انہوں نے کہا اسلام، روٹی، کپڑے اور مکان کی ضمانت دیتا ہے اور اسلام کے ان نام نہاد ٹھیکیداروں سے تو پیپلز پارٹی ہی بھلی تھی جس نے یہ نعرہ تو دیا تھا۔ اصغر خان نے کہا پاکستان میں ایک منٹ میں ایک ایکڑ رقبہ تباہ ہو رہا ہے۔ پچاس ہزار دیہات میں بجلی نہیں ہے موجودہ اسلامی حکومت میں تھانے نیلام ہو رہے ہیں اور غیر ترقیاتی اخراجات روز بروز بڑھ رہے ہیں۔ ذرائع ابلاغ کو یک طرفہ پراپیگنڈہ کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے لیکن عوام کے سرمایہ کا غلط استعمال اور ان کے حقوق اب زیادہ دیر تک پامال نہیں ہونے دیئے جائیں گے انہوں نے کہا گزشتہ ایک سال میں افغانستان اور ایران کی حکومتوں کا تختہ الٹا جا چکا ہے ہمارے حکمرانوں کو اس سے سبق لینا چاہیئے۔

تحریک استقلال پنجاب کے چیئرمین ملک وزیر علی نے کہا کہ تحریک برسر اقتدار آنے کے بعد کمشنر، ڈپٹی کمشنر، اسسٹنٹ کمشنر، آئی جی اور ڈی آئی جی کی آسامیاں ختم کر دے گی اور پنچایت سسٹم کو رواج دے کر ملک میں ایک نئے سماجی ڈھانچہ کی بنیاد رکھے گی کیونکہ ملک کے موجودہ گھمبیر حالات مکمل انقلاب سے ہی بدلے جا سکتے ہیں۔

تحریک استقلال صوبہ سرحد کے چیئرمین سید منیر شاہ نے اپنی تقریر میں کہا ہم قومی اتحاد کے وزراء کو عوامی عدالت میں لائیں گے اور منافقت کی سیاست کی بیخ کنی کر دیں گے انہوں نے کہا حقوق العباد غصب کرنے والے نظام مصطفیٰ نہیں لا سکتے اور جو افراد سات کروڑ عوام سے حق رائے دہی چھین کر اقتدار کی کرسی پر براجمان ہو گئے ہیں وہ ہمارے لئے رحمت نہیں زحمت ہیں اور عوام کو ان کے خلاف متحد ہو کر جدوجہد کرنی ہوگی کیونکہ اجتماعی طاقت کے بغیر حقوق نہیں مل سکتے۔

تحریک استقلال صوبہ سرحد کے جنرل سیکرٹری مسٹر فخر الزمان نے کہا اس قسم کا تھرما میٹر کسی کے پاس نہیں ہے کہ کب حکومت کی تشریح کے مطابق انتخابات کے نتائج مثبت ہوں گے اس لئے ہم فی الفور انتخابات چاہتے ہیں انہوں نے کہا مسٹر بھٹو سے اتحاد کا مطالبہ تھا کہ صوبائی انتخابات کی بجائے پہلے قومی انتخابات ہونے چاہئیں اب اتحادی ٹولہ پہلے بلدیاتی انتخابات کی بات کیوں کرتا ہے انہوں نے مزید کہا اتحاد صرف قول کر سکتا ہے اس کے مطابق فعل کرنا اس کے بس کی بات نہیں اس لئے عوام کو اپنے حقوق کے لئے خود سرگرم عمل ہونا پڑیگا۔

تحریک فکر قائد عوام پنجاب کے نائب صدر مسٹر محبوب الٰہی نے ایک اخباری بیان میں مطالبہ کیا ہے کہ جناب بھٹو کی سزا کالعدم قرار دے دی جائے اور اگر جنرل ضیاء ایسا کرنے میں دشواری محسوس کرتے ہیں تو وہ اپنے غیر منتخب مشیروں سے مشورہ لینے کی بجائے قوم کے منتخب نمائندوں کے لئے اس مسئلہ کو چھوڑ دیں وہ خود فیصلہ کر لیں گے کہ کون سی چیز ملک کے مفاد میں ہے، جناب محبوب الٰہی نے کہا ہے کہ بھٹو کی موت ایک عام شخص کی موت نہیں ہے اس کے ملکی حالات پر اثرات ہوں گے لہٰذا جنرل ضیاء کو چاہیئے کہ وہ فی الفور انتخابات کرائیں ■

این ایس ایف
پنجاب کے صدر

سیف اللہ سیف کا انٹرویو

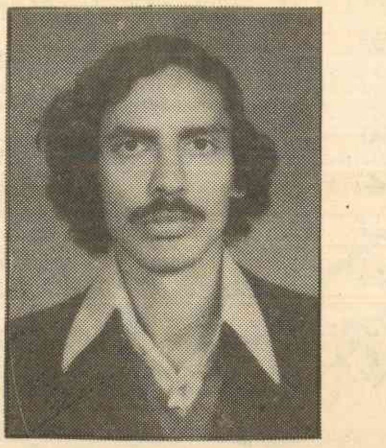

"جمہوریت کے علمبردار" فوجی حکمرانوں کی گود میں جا بیٹھے

مارشل لا کی آڑ میں استحصالی طبقات عوام کو لوٹ رہے ہیں

طلبا نے تحریک آزادی میں موثر کردار ادا کیا تھا

میاں محمد شریف زاھد

جناب سیف اللہ سیف کا تعلق ضلع قصور پنجاب سے ہے انہوں نے مارچ ۱۹۵۴ء کو اسی ضلع کے گاؤں کھٹیاں میں جنم لیا۔ میٹرک کا امتحان عارفہ ہائی اسکول دھرم پورہ لاہور سے پاس کیا اور گریجویشن اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور سے کی اور اب لاہور لاء کالج کے طالب علم ہیں گزشتہ دنوں لاہور میں ان سے ملاقات کے دوران طلباء سیاست پر تفصیلاً بات چیت ہوئی۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

س : آپ نے طلباء سیاست میں کب حصہ لینا شروع کیا؟

ج : ۱۹۶۸ء میں ایوبی آمریت کے خلاف عوام نے بھرپور طریقے سے تحریک کا آغاز کیا۔ عوام کی اس پُرعزم جدوجہد سے متاثر ہو کر میں نے بھی طلباء سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا عوام کی اس تحریک میں نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن ہی واحد طلباء کی تنظیم تھی جس نے ہراول دستے کے طور پر کام کیا چنانچہ میں بھی اس تنظیم کا رکن بن گیا اور اب تک اس کے پلیٹ فارم سے طلباء سیاست میں حصہ لے رہا ہوں۔

س : آپ نے طلباء سیاست میں حصہ لینا کیوں شروع کیا تھا کیا طلباء کے سیاست میں حصہ لینے سے تعلیم کے حصول میں دشواریاں پیدا نہیں ہوتیں اور یہ وقت کا ضیاع نہیں ہے؟

ج : ہر معاشرے کا سب سے زیادہ متحرک حصہ طلباء ہوتے ہیں اور معاشرے میں ہونے والی زیادتیوں اور ناانصافیوں کے خلاف شدید ردعمل کا اظہار کرتے ہیں۔ آزادی سے قبل برطانوی سامراج کے مظالم کے خلاف سب سے پہلے طلباء نے ہی بغاوت کا علم بلند کیا تھا۔ آزادی کے بعد پاکستان میں استحصال اور ناانصافیوں کے خلاف سامراج کی ریشہ دوانیوں کے خلاف جدوجہد میں طلباء نے موثر کردار ادا کیا ہے یہی وجہ ہے کہ عوام دشمن سیاسی جماعتوں نے طلباء کو اپنی گندی سیاست میں ایندھن کے طور پر استعمال کرنے کے لئے مختلف پٹھو تنظیمیں بنا رکھی ہیں تاکہ طلباء عوام کے حقوق کی جدوجہد میں حصہ لینے کی بجائے استحصالی نظام کا حصہ بن کر رہ جائیں۔ میں نے طلباء کی سامراج کے خلاف عظیم جدوجہد سے متاثر ہو کر اور عوام دشمن سیاسی جماعتوں کی ذیلی طلباء تنظیموں کے گھناؤنے اور طلباء دشمن عزائم کو کچلنے کے لئے طلباء سیاست میں آنے کا فیصلہ کیا تھا۔ طلباء کے سیاست میں حصہ لینے سے تعلیم کا نقصان اور وقت کا ضیاع نہیں ہوتا بلکہ قومی و بین الاقوامی صورتحال سے ہر طالب علم باخبر رہتا ہے۔

س : آپ نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن میں کام کر رہے ہیں اس میں کیا خوبیاں نظر آئیں کہ آپ نے اس میں شمولیت اختیار کی؟

ج : نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے جن بنیادی اصولوں سے متاثر ہو کر میں نے اس میں شمولیت کا فیصلہ کیا تھا وہ یہ ہیں کہ پاکستان ایک آزاد، خودمختار اور خوشحال ملک بنے، پاکستانی معاشرہ آزادی، انصاف اور محنت کی عظمت کی بنیاد پر استوار ہو ملک کی باگ ڈور محب وطن محنت کش طبقے کے ہاتھ میں ہو جو دن رات محنت کر کے وطن عزیز کی تعمیر میں مصروف ہے۔ تعلیم لازمی اور عام ہو۔ روزگار کی ضمانت ہو نظام تعلیم بامقصد اور قومی تقاضے کے مطابق ہو۔ طلباء کے ذہنوں پر یونیورسٹی آرڈیننس کے پہرے نہ ہوں، اجتماع، تحریر و تقریر کی آزادی حاصل ہو۔ بنیادی حقوق ہر شہری کو میسر ہوں، معاشرے کے باشعور عنصر کی حیثیت سے طلباء کو پاکستان کی سطح پر منظم کرنا، ان میں سیاسی شعور کو بلند کرنا، حب الوطنی اور جمہوری طرز فکر کو فروغ دینا، طلباء کے مطالبات کے حصول اور تعلیمی اداروں کی خودمختاری کے لئے کوشش کرنا۔ طبقاتی امتیازات کے خاتمے اور طلباء برادری کے درمیان بلا امتیاز رنگ و نسل و مذہب، دوستی اور اخوت کی فضا قائم کرنا، معاشی و معاشرتی انصاف کا حصول۔ جہالت، جاگیرداری، کمپراڈور، سرمایہ داری اور ہر قسم کے استحصال کو ختم کرنے کے لئے جدوجہد کرنا۔ طلباء تحریک کو محنت کش عوام کی انقلابی جدوجہد سے عملی طور پر مربوط کرنا۔ پاکستان میں امریکی سامراج اور ان کے حواریوں کی سازشوں کے خلاف بھرپور جدوجہد کرنا۔ دنیا بھر کے مظلوم و محکوم عوام کی سامراج کے خلاف جدوجہد آزادی میں ان کی بھرپور طریقے سے تائید و حمایت کرنا وغیرہ شامل ہے۔

س : نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن کا آج تک ملکی و بین الاقوامی سیاست میں کیا کردار رہا ہے۔

ج : این ایس ایف پاکستان کی تاریخ کے تعلیمی۔ سیاسی اور سماجی مسائل کو حل کرنے کی مسلسل جدوجہد کا نام ہے۔ یوم تشکیل سے لے کر آج تک این ایس ایف نے طلباء کے مسائل کو حل کرانے کی مسلسل عظیم تحریک جاری کر رکھی ہے اسے کامیاب بنانے کیلئے این ایس ایف نے ہمیشہ یہ بات پیش نظر رکھی ہے کہ طلباء کے مسائل قوم اور ملک کے مسائل سے الگ تھلگ رکھ کر نہیں بلکہ قوم اور ملک کے مسائل سے مربوط کر کے حل کرائے جا سکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ شروع سے لے کر اب تک این ایس ایف کی طلباء تحریکوں کو عوام کی بے پناہ حمایت حاصل رہی ہے اور اس نے طلباء تحریکوں کو سرمایہ دار سیاسی جماعتوں کا دم چھلا بنانے کی بجائے ہمیشہ مزدوروں کسانوں اور مظلوم عوام کی تحریک سے مربوط کیا ہے۔ ۱۹۵۳ء میں این ایس ایف کی پیش رو طلبا تنظیم ڈیموکریٹک اسٹوڈنٹس فیڈریشن نے فیسوں اور کتابوں کی قیمتوں میں کمی کرانے، پرائمری تک تعلیم مفت کرانے اور مزید تعلیمی ادارے کھلوانے کے لئے جدوجہد کا آغاز کیا کراچی میں اس تحریک کے دوران ۸ جنوری کی پولیس فائرنگ سے کئی طلباء شہید ہو گئے بالآخر مطالبات تسلیم کر لیے گئے۔ ۱۹۵۴ء میں امریکی سامراج سے سیٹو اور سینٹو معاہدے کرنے کے نتیجہ میں حکمرانوں نے دیگر انقلابی تحریکوں کے علاوہ ڈیموکریٹک اسٹوڈنٹس فیڈریشن پر بھی پابندی عائد کر دی اور اس کے ترجمان رسالے "اسٹوڈنٹس ہیرالڈ" کا اجازت نامہ منسوخ کر دیا۔ ۱۹۵۶ء میں نیشنل اسٹوڈنٹس

فیڈریشن نے طلباء کو از سر نو منظم و متحرک کرنا شروع کر دیا۔ الجیریا کے حریت پسندوں کی آزادی کی جدوجہد کی بے پناہ حمایت کی اور نہر سویز پر سامراجی طاقتوں کے حملے کے خلاف زبردست جلوس نکالا اور حکمرانوں کی سامراج نواز پالیسیوں کو بے نقاب کیا جب ملک میں مارشل لاء لگا دیا گیا تو این ایس ایف کو غیر قانونی قرار دے دیا گیا ۱۹۵۸ء میں اس کے ترجمان رسالہ "طالب علم" پر پابندی عائد کر دی گئی اسی سال امریکی صدر کی پاکستان میں آمد پر این ایس ایف کے کارکنوں کو گرفتار کیا گیا۔ ۱۹۶۱ء میں جب ایوب مارشل لاء کے سیاہ ترین دور میں تمام سیاسی جماعتیں آمریت سے مفاہمت کر چکی تھیں تو این ایس ایف نے کانگو کے سامراج دشمن وزیر اعظم پیٹرس لوممبا کے قتل کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور اس کے بعد جبل پور بھارت میں فرقہ وارانہ فسادات کے خلاف احتجاج کیا۔

امریکی سامراج کے خلاف سب سے پہلا نعرہ این ایس ایف نے بلند کیا۔ ۱۹۶۲ء میں تین سالہ لاء ڈگری کورس کے خلاف تحریک چلائی اور حکمران ٹولے کو اسے ختم کرنے پر مجبور کر دیا۔ ۱۹۶۴ء میں بحالی جمہوریت اور شہری آزادیوں کے پرچم کو جرأت مندانہ انداز میں بلند کیا اور اسی سال تین سالہ لاء کورس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور اسے ختم کرایا۔ ۱۹۶۵ء میں جب بھارتی توسیع پسندوں نے امریکی سامراج کے ایماء پر پاکستان پر حملہ کیا تو باشعور طلباء نے قومی آزادی اور بقا کے لئے ہندوستانی جارحیت کے خلاف بھرپور کردار ادا کیا۔ ۱۹۶۶ء میں معاہدہ تاشقند جو کہ امریکی سامراج، بھارتی توسیع پسندوں اور پاکستان کے حکمران طبقے جن کی نمائندگی ایوب ٹولہ کر رہا تھا کی پاکستان اور کشمیر کے عوام کی آزادی کا سودا کرنے کی ایک سازش تھی کی شدید مخالفت اور مذمت کی، ۱۹۶۷ء میں امریکی سامراج کی ناجائز اولاد اسرائیل کے خلاف زبردست احتجاجی مظاہرے کئے اور عرب بھائیوں کو ہر قسم کی اخلاقی اور مادی امداد کا یقین دلایا۔ ۱۹۶۸ء میں ایوب خان کے خلاف ۷ اکتوبر کو اس عظیم الشان تحریک کا آغاز کیا جس نے بعد میں ایک عوامی طوفان کا روپ دھار لیا اور بالآخر ایوب شاہی کے خاتمہ پر منتج ہوا۔ ۱۹۶۹ء میں جب سب سیاسی جماعتوں نے یحییٰ مارشل لاء سے مفاہمت کر لی تھی۔ این ایس ایف نے تعلیمی اداروں کی آزادی اور خود مختاری کے لئے جدوجہد کا آغاز کیا جس کے نتیجہ میں کئی کارکن گرفتار کر لئے گئے۔ ۱۹۷۰ء میں کمبوڈیا پر امریکی سامراج کی جارحیت کے خلاف این ایس ایف نے احتجاجی مظاہرے کئے اس سال صحافیوں کی ملک گیر جدوجہد میں بھرپور ساتھ دیا۔ نومبر ۱۹۷۰ء میں این ایس ایف کا پہلا ملک گیر کنونشن لاہور میں ہوا جس کے بعد حسن ناصر کی یاد میں شاہی قلعہ تک تاریخی جلوس نکالا۔ ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان پر یحییٰ خان ٹولے کی فوج کشی کی بھرپور مخالفت کی اور ساتھ ہی مجیب الرحمٰن کے غدارانہ اور سامراج نواز کردار کو بے نقاب کیا اور محنت کش بنگالی عوام کے مطالبات کی بھرپور حمایت کی۔ پاک بھارت جنگ میں ہندوستانی جارحیت کے خلاف بھرپور کردار ادا کیا۔ مشرقی پاکستان پر ہندوستان کے قبضے اور یحییٰ ٹولے کے ہتھیار ڈالنے کے خلاف عظیم الشان احتجاجی مظاہرے کئے۔ ۱۹۷۲ء میں پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں ۱۰ جنوری کو این ایس ایف کی سنٹرل کمیٹی کا اجلاس راولپنڈی میں ہوا جس میں عوامی جمہوریت کا پروگرام مرتب کیا گیا۔ اسی سال جون اور اکتوبر میں کراچی کے مزدوروں کی عظیم جدوجہد میں بھرپور حصہ لیا۔ سندھ میں لسانی فسادات کے دوران عوام کے درمیان قتل و غارت گری کو روکنے کے لئے پمفلٹ نکالے نام نہاد بنگلہ دیش تسلیم کرنے کے خلاف جدوجہد میں حصہ لیا۔ ۱۹۷۳ء میں چوتھی عرب اسرائیل جنگ ہوئی تو عرب عوام کی حمایت میں اور اسرائیل، امریکی سامراج اور ان کے حواریوں کے خلاف بھرپور مظاہرے کئے۔ پوسٹر اور پمفلٹ شائع کئے۔ دسمبر ۱۹۷۳ء میں این ایس ایف کا دوسرا کل پاکستان کنونشن لاہور میں ہوا۔ ۱۹۷۴ء میں سرکاری ملازمین کی ملک گیر ہڑتال میں بھرپور حمایت کی۔ راوی ریان کی ہڑتال اور مزدوروں کے عمومی مطالبات کی حمایت میں ملک بھر کے تعلیمی اداروں میں مزدوروں کی حمایت کا دن منایا گیا۔ صوبہ سندھ کے اسکولوں کے اساتذہ کی ہڑتال اور طلباء کے مسائل کے حل کے لئے کی گئی جدوجہد میں بھرپور حصہ لیا اور انہیں حل کرایا۔ ۱۹۷۵ء میں طلباء پر پولیس تشدد کے خلاف جدوجہد میں بھرپور حصہ لیا اور دس نکاتی پروگرام پیش کیا۔ عربوں کے تیل کے چشموں پر زبردستی قبضہ کرنے کی دھمکی دینے کے خلاف امریکی سامراج کے خلاف احتجاجی مظاہرے اور جلسے کئے۔ ۱۹۷۶ء میں مہنگائی کے خلاف ریلوے مزدوروں کی جدوجہد میں بھرپور حصہ لیا۔ ۱۹۷۷ء میں عوامی جمہوری حقوق کے لئے ہر طرح سے آواز بلند کی۔ ۱۹۷۸ء میں سانحہ ملتان پر مظاہرے کئے۔ طلباء، مزدوروں کسانوں اور خصوصاً صحافیوں کی ملک گیر جدوجہد میں بھرپور حصہ لیا۔

س: موجودہ ملکی صورتحال کیا ہے؟

ج: سیاسی سرگرمیوں پر پابندی بدستور برقرار ہے، اظہار رائے آزادی، اجتماع اور بنیادی جمہوری حقوق سے عوام محروم کر دیئے گئے ہیں۔ روزافزوں مہنگائی نے غریب عوام کے مصائب میں شدید اضافہ کر دیا ہے۔ ایک چہرہ بدل کر دوسرے چہرے کے کرسیٔ اقتدار پر براجمان ہونے سے معاشی ناہمواری اور جمہوریت بحال نہیں ہو سکی بلکہ مصائب اور دکھوں میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ قومی اتحاد نے عوام سے غداری کر کے جمہوریت کو بھلا دیا ہے اور حکمرانوں کی ہاں میں ہاں ملانی شروع کر دی ہے۔ نظام مصطفیٰ کے لئے خون کا آخری قطرہ تک بہانے کے نعرے لگانے والے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بن گئے ہیں۔ جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی کھلی حمایت کر کے قومی اتحاد مظلوم عوام کے سامنے ننگا ہو چکا ہے۔ مارشل لاء کی آڑ میں سرمایہ دار، تاجر اور جاگیردار غریب عوام کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں۔ مہنگائی، ذخیرہ اندوزی اور مصنوعی قلت پیدا کرنے والے دندناتے پھر رہے ہیں جبکہ ان کے خلاف احتجاج کرنے والے قید اور کوڑوں کی سزا کے مستحق سمجھے جا رہے ہیں۔ طلباء کو سیاست میں حصہ لینے سے روکا جا رہا ہے، مزدوروں کے قانونی حقوق سے روگردانی کر کے ان کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی ہے۔

س: موجودہ بحران کو کس طرح حل کیا جا سکتا ہے؟

ج: ایک طویل اور صبر آزما جدوجہد سے طلباء، مزدور کسان، دانشور اور محب وطن متحد ہو کر ہی استحصالی ریاستی ڈھانچے کی بنیادیں اکھاڑ کر نیا استحصال سے پاک معاشی و معاشرتی برابری اور خوشحالی پر مبنی سماج تعمیر کر سکتے ہیں۔ وقت کا تقاضہ ہے کہ عام انتخابات فی الفور کرائے جائیں اور اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کے حوالے کر کے فوج واپس بیرکوں میں چلی جائے اور ملکی سرحدوں کی حفاظت کرے۔ ●

بقیہ: وادیٔ بولان

۲۵: عبدالکریم ٹکری، چھ ماہ قید سخت، زیر دفعہ مارشل لاء ضابطہ ۱۳-۳۳۔

۲۶: سردار بہادر خان نبگلزئی صدر پی پی پی ضلع کچھی و سابق وزیر، ایک سال قید اور دو لاکھ روپے جرمانہ۔

۲۷: محمد اقبال، چھ ماہ قید اور دس ہزار روپے جرمانہ، زیر دفعہ مارشل لاء ضابطہ ۱۳-۳۳۔

۲۸: ملک غلام محمد کاکڑ، تین ماہ قید اور پانچ ہزار روپے جرمانہ زیر دفعہ مارشل لاء ضابطہ ۱۳-۳۳۔

۲۹: ڈاکٹر حبیب، تین ماہ قید اور پانچ ہزار روپے جرمانہ، زیر دفعہ مارشل لاء ضابطہ ۱۳-۳۳۔

۳۰: حاجی محمد اکبر خان، چھ ماہ قید سخت زیر دفعہ مارشل لاء ضابطہ ۳۳۔

۳۱: مرزا خان بادوزئی، چھ ماہ قید سخت زیر دفعہ مارشل لاء ضابطہ ۳۳۔

۳۲: زاہد اختر عمرانی، کارکن پی ایس ایف ضلع سبّی، چھ ماہ قید سخت زیر دفعہ مارشل لاء ضابطہ ۳۳۔

۳۳: مٹھا خان، صدر پی ایس ایف سبّی، چھ ماہ قید سخت، زیر دفعہ مارشل لاء ضابطہ ۳۳۔

۳۴: اسماعیل ہزارہ، تین ماہ قید اور پانچ ہزار روپے جرمانہ، زیر دفعہ مارشل لاء ضابطہ ۱۳-۳۳۔

عربوں کے سچے ہمدرد کو شہید کیا جارہا ہے

پاکستان پیپلز پارٹی کویت و گلف کی مشاورتی کونسل کے چیئرمین عقیل قریشی کا انٹرویو

***

نذیر ملک

سوال : آپ نے پیپلز پارٹی میں کب شمولیت اختیار کی اور اس کے کیا اسباب تھے؟

جواب : ۱۹۷۰ء میں پی پی پی میں شامل ہوا۔ میرا اپنا سیاسی نظریہ، خیالات اور رجحانات ہیں۔ مثال کے طور پر میں چاہتا ہوں کہ مسلم ممالک کا اتحاد ہونا چاہیئے۔ ان ممالک کو ماڈرن ٹیکنالوجی اپنانی چاہیئے۔ وغیرہ، چونکہ مسٹر بھٹو کے بھی نظریات یہی تھے۔ اس لئے میں نے پیپلز پارٹی میں شمولیت اختیار کی۔ دراصل میں نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز ہی اسی پارٹی سے کیا ہے۔

سوال: آپ کی پارٹی (کویت اور گلف) نے گزشتہ برسوں میں پاکستان کی خدمت کے لئے کون سے اقدامات کئے؟

جواب: جب ہم نے کویت و گلف میں پارٹی قائم کی۔ تو اس وقت پاکستان بہت نازک حالات سے گزر رہا تھا۔ علاوہ ازیں کویت و گلف میں سیاسی سرگرمیوں پر مکمل پابندی ہے اس کے باوجود ہم نے پاکستانی جنگی قیدیوں کی واپسی کے سلسلے میں بھارت پر دباؤ ڈالنے کے لئے اقوام متحدہ، ریڈ کراس تمام ممالک کے سربراہوں اور وزیر اعظم کو خطوط لکھے اور ان کی توجہ اس مسئلے کی جانب مبذول کرائی۔ ہماری پارٹی کے قیام سے قبل یہاں پر آباد پاکستانی اپنے قومی تہوار علیحدہ علیحدہ منایا کرتے تھے۔ ہم نے کوشش کی کہ تمام پاکستانی تنظیمیں باہمی اشتراک سے ایک جگہ قومی تقریب منعقد کریں۔ اس سلسلے میں ہمیں کامیابی ہوئی۔ علاوہ ازیں ایک پیپلز کلب قائم کیا۔ یہاں پر ہم خیال لوگ جمع ہوتے ہیں۔ اور تبادلۂ خیال کرتے ہیں۔

سوال : پاکستان کی موجودہ فوجی حکومت اور سابق پیپلز پارٹی کی حکومت کے دور میں آپ نے کیا فرق محسوس کیا؟

جواب : مسٹر بھٹو کی حکومت ایک نمائندہ اور منتخب حکومت تھی۔ وہ سیاست دان تھے، ان کے دورِ حکومت میں پاکستان نے عرب ممالک سے نہایت ہی خوشگوار بلکہ برادرانہ تعلقات قائم کئے۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ عرب ممالک نے پاکستان کو بھاری مالی امداد اور قرضے دیئے۔ پاکستان میں سرمایہ کاری کی اور یہ تعلقات اتنے برادرانہ ہو گئے تھے کہ عرب ممالک، پاکستان کے مفاد میں بعض اوقات اس کے داخلی معاملات میں بھی دلچسپی لیتے تھے مثلاً پی این اے اور پیپلز پارٹی کے مابین مذاکرات کرانے میں سعودی عرب نے نمایاں کردار ادا کیا۔ علاوہ ازیں پیپلز پارٹی کے دور میں پاکستان میں صنعتی ترقی عروج پر تھی۔ اسٹیل ملز کی تعمیر کا آغاز کیا اس زمانے میں پاکستان کی خارجہ پالیسی نہایت کامیاب تھی۔ اگر کچھ عرصہ اور بھٹو صاحب کے ہاتھ میں حکومت رہتی تو یقیناً پاکستان ایٹمی پلانٹ حاصل کر لیتا اس کے برعکس موجودہ حکومت کے دور میں پاکستان اسلامی ممالک سے دور ہوتا جا رہا ہے، چین سے وہ تعلقات

آئین کو معطل کرنے والے "قانون کی حکمرانی" کا دعویٰ کس طرح کر سکتے ہیں؟

نہیں ہے جو کہ پہلے تھے۔ بھٹو صاحب کی پھانسی کے سلسلے میں اسلامی اور غیر اسلامی ممالک نے جو اپیلیں کی ہیں اگر انہیں رد کر دیا تو یہ موجودہ حکومت کی خطرناک ترین غلطی ہوگی۔ پیپلز پارٹی کے دور میں اسلامی کانفرنس منعقد کی گئی۔ متفقہ آئین بنایا گیا۔ موجودہ حکومت آئین کو معطل کر کے کہتی ہے کہ اس کے دور کا سب سے پہلا کارنامہ قانون کی بالادستی ہے۔

سوال: کیا آپ کو یقین ہے کہ مستقبل میں پاکستان میں الیکشن ہوں گے؟

جواب: ملک صاحب مستقبل تو بہت بڑی چیز ہے کیا آپ کا مطلب مستقبل قریب سے ہے۔ مستقبل قریب میں الیکشن ہونے کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ بشرطیکہ موجودہ حکومت کو یقین نہ ہو جائے کہ کسی صورت میں پی پی پی اور وہ جماعتیں جو اس کی مخالف ہیں انتخابات میں ابھر کر نہیں آئیں گی۔

سوال: ملک میں اسلامی قانون نافذ کیا جا رہا ہے آپ کی اس کے متعلق رائے کیا ہے؟

جواب: اسلامی قوانین تو ہر اسلامی ملک میں رائج ہونا چاہئیے یہ بڑی اچھی بات ہے۔ قانون بنانا ایک الگ بات ہے۔ قانون پر عمل درآمد دوسری بات ہے۔ قانون کا احترام کرنا تیسری بات ہے۔ عوام میں قانون کا احترام اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے کہ عوام یہ محسوس کریں کہ حاکم جو کہ قانون بناتے ہیں۔ سخت قانون کے ساتھ ساتھ عوام کے حقوق کا بھی خیال رکھتے ہیں۔ عوام کی مشکلات کو بھی حل کرنے کے لئے بھی قانون بنائے جا رہے ہیں۔ حکومت وقت پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ عوام کی ضروریات زندگی کو پورا کرے۔ حکومت لاپرواہی سے کام لے گی یا کہ کسی خاص طبقہ کے مفادات کا خیال رکھے گی، عوام کو نظرانداز کرے گی تو پھر اسلامی قانون خواہ وہ کتنے ہی سخت کیوں نہ ہوں توڑے جا سکتے ہیں۔ میرے خیال میں اہم بات یہ ہے کہ عوام کی ضروریات زندگی کو پورا کیا جائے تاکہ اسلامی قانون کاغذ پر رہنے کے بجائے عملاً اور بہ حقیقت نافذ ہو سکے جن کا احترام عوام کے دلوں میں ہو۔

سوال: ابھی حال ہی میں بھٹو صاحب کو موت کی سزا سنائی گئی ہے، کویت و گلف میں پاکستانیوں اور غیر پاکستانیوں کے کیا تاثرات تھے؟

جواب: پاکستانی تو اس بات سے ناخوش ہیں حتیٰ کہ دوسری جماعتوں کے لوگ بھی کہتے ہیں کہ ہمیں اس بات کی توقع نہ تھی کہ بھٹو صاحب کو پھانسی دی جائے گی۔ بھٹو صاحب کے لاکھوں حامی کویت کے قوانین کا احترام کرتے ہوئے خاموش ہیں جبکہ عرب بھائی بھی محسوس کرتے ہیں کہ عربوں کا سچا ہمدرد شہید کیا جا رہا ہے اس کے ساتھ ان لوگوں کو یہ بھی یقین ہے کہ موجودہ حکومت پھانسی دینے کی جرأت نہیں کرے گی۔ کویت میں اگر سیاسی سرگرمیوں پر پابندی نہ ہوتی تو لاکھوں پاکستانی عرب بھائی اور فلسطینی اس فیصلے کے خلاف ایک عظیم مظاہرہ پاکستانی سفارتخانے کے سامنے کرتے۔

سوال: کیا پیپلز پارٹی اور سابق حکومت کے احتساب کے بعد اسلامی نظام نافذ کرنا چاہیئے تھا، یا اسلامی نظام نافذ کر کے پیپلز پارٹی کا احتساب کیا جانا چاہیئے تھا؟

جواب: دراصل پیپلز پارٹی کا احتساب نہیں بلکہ اسے ختم کرنا مقصود تھا اور اسلامی نظام کے تحت نہ ہی سلطانی گواہ بنایا جا سکتا ہے اور نہ ہی فوجی عدالتوں میں مقدمات چلائے جا سکتے تھے اور فیصلے دیئے جا سکتے تھے اس لئے فوجی حکمرانوں نے پیپلز پارٹی کے خلاف احتساب (بقول ان کے) مکمل ہونے کے بعد اسلامی نظام نافذ کیا ہے تاکہ بھٹو کی پھانسی کی اپیل بھی انہی سے کی جا سکے۔

●

گارمنٹس کارپوریشن نے گاڑیاں اونے پونے فروخت کر دیں

کراچی کی فیکٹری بند کر دی گئی

پاکستان گارمنٹس کارپوریشن ایمپلائز یونین کی ایک پریس ریلیز میں اس بات پر گہری تشویش کا اظہار کیا گیا کہ گارمنٹس کارپوریشن کی انتظامیہ نے کارپوریشن کو بند کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ کارپوریشن کی چند گاڑیاں نیلام کر دی گئی ہیں اور اسٹاک میں موجودہ گارمنٹس کی فروخت کے لئے ٹنڈر طلب کر لئے گئے ہیں۔ جب کہ دفتری استعمال کی مشینری اور دیگر اشیا یوٹیلیٹی اسٹورز کارپوریشن کو فروخت کرنے کے لئے گفتگو کی جا رہی ہے۔

یونین کے صدر مسٹر خالد محمود نے کارپوریشن کی انتظامیہ پر الزام لگایا ہے کہ کارپوریشن کی قیمتی گاڑیاں نام نہاد نیلامی کے ذریعے اونے پونے داموں فروخت کی جا رہی ہیں اور لاکھوں روپے کی مشینری کو بھی اپنے مخصوص لوگوں کو فروخت کرنے کی سرگرمیاں جاری ہیں۔ بیان میں کہا گیا ہے اس وقت کارپوریشن کا صرف ایک تربیتی یونٹ لاہور میں کام کر رہا ہے اور کراچی کی فیکٹری بند کر دی گئی ہے۔

اخباری بیان میں کہا گیا ہے کہ کارپوریشن کے حکام کا یہ دعویٰ کہ ادارے کو خسارہ ہو رہا ہے اور اس کے تیار کردہ گارمنٹس کی طلب نہیں ہے، سراسر جھوٹ اور بے بنیاد ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ گذشتہ دنوں ایک عرب ملک میں مقیم پاکستانی تاجر نے کارپوریشن کو لاکھوں روپے کی مالیت کا آرڈر دیا تھا لیکن کارپوریشن کے حکام نے غفلت اور سرد مہری سے کام لیا۔ اور اس رویہ کی وجہ سے مذکورہ تاجر بھارت سے مال منگوانے پر مجبور ہو گیا۔ اسی طرح وزارت مذہبی امور نے کارپوریشن کو دس لاکھ جوڑوں کی سلائی کے آرڈر دیتے تھے جو وزارت حاجیوں کو مہیا کرنا چاہتی تھی لیکن کارپوریشن نے اس آرڈر کو بھی سرد خانے میں ڈال دیا۔ اگر انتظامیہ مذکورہ بالا دونوں آرڈرز کی تکمیل کر دیتی تو اسے لاکھوں روپے کا منافع ہوتا۔

یونین نے کہا ہے کہ ایک طرف تو کارپوریشن کی انتظامیہ نے مالی بحران کا بہانہ بنا کر نچلے درجے کے ملازمین کی سالانہ ترقیاں روک دی ہیں۔ پروڈکشن یونٹ کو خام مال کی سپلائی میں رکاوٹیں پیدا کی جا رہی ہیں اور بڑے بڑے آرڈرز واپس کئے جا رہے ہیں جب کہ دوسری طرف کارپوریشن اپنے دو اعلیٰ افسروں کو اٹھارہ سو روپے ماہانہ پٹرول کے لئے دیتی ہے اور ایک افسر سرکاری کام کے بہانے ہر ہفتے کراچی اور لاہور جاتے ہیں جب کہ وہاں وہ اپنے نجی کام کرتے ہیں۔ اسی طرح ایک افسر نے سیلز پروموشن کی آڑ میں ہزاروں روپے کے سلے سلائے سوٹ اپنے دوستوں اور رشتے داروں کو تحائف کے طور پر دے دیئے ہیں۔ بیان کے آخر میں جنرل ضیاالحق سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ کارپوریشن کے معاملات میں تحقیقات کرائیں اور عوامی بہبود کے اس منافع بخش ادارے کو تباہ اور ملازمین کو بے روزگار ہونے سے بچائیں●

بنگلہ دیش سے جماعتِ اسلامی کے تربیت یافتہ ۳۰ ہزار افراد آئیں گے

غینوں کی ڈائری

بلوچوں سے مذاکرات میں حکومت کو ناکامی
سندھ نیشنل فرنٹ کا قیام

پاکستان میں آئندہ انتخابات ہوں گے ؟ سیاسی حلقوں میں یہ سوال موضوعِ بحث بنا ہوا ہے کہ آئندہ پاکستان میں عام انتخابات ہوں گے بھی یا نہیں ؟ سیاسی حلقوں میں یہ سوال ایسے وقت موضوع بحث بنا ہے جب حال ہی میں صدر جنرل ضیاؔ الحق نے لاہور میں ایک اخباری کانفرنس میں اخباری نمائندوں کے سوالات کے جواب دیتے ہوئے یہ انکشاف کیا کہ اگست سے پہلے عام انتخابات کا پروگرام ظاہر کر دیا جائے گا۔

سیاسی مبصر جنرل صاحب کے اس اعلان کا ہر پہلو سے تجزیہ کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ جنرل صاحب کے اس اعلان کا مقصد کچھ بھی ہو، ملک میں انتخابات ہوتے نظر نہیں آتے۔ اس کے کئی اسباب ہیں اگر انتخابات کے نام پر کوئی ڈرامہ اسٹیج کیا گیا تو وہ ایوب خان کے بنیادی جمہوریت کے طرز کی کوئی چیز ہوگی۔ باقی عام انتخابات نہیں ہوں گے سیاسی مبصر اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ملکی سیاست اس نقطہ پر آ کر رکی ہے کہ ملک کے حکمران طبقوں کے نقطۂ نگاہ سے ملک میں اب فقط ایسی "سیاست" کی اجازت دی جا سکتی ہے جس میں بالادستی "فوج" کو حاصل ہوگی۔ دوسرے لفظوں میں اب پاکستان میں فقط ایسی کنٹرولڈ جمہوریت ہی چلنے دی جائے گی جس کا کنٹرول پاکستان کے سیاستدانوں کی بجائے ملک کے مضبوط ترین ادارے فوج کے ہاتھوں میں ہوگا۔ ان حلقوں کے مطابق پاکستان کی موجودہ مارشل لا حکومت شروع سے اس حکمت عملی کو مدنظر رکھ کر آگے بڑھتی رہی ہے۔ مثال کے طور پر نااہلی کے ٹربیونلوں سے سیاستدانوں کو نااہل قرار دینا ملک کی سب سے بڑی جماعت کے خلاف کردار کشی کی ہمہ گیر مہم، پاکستان قومی اتحاد کا ٹوٹنا اور اتحاد سے باہر آنے والی پارٹیوں اور اتحاد میں شامل پارٹیوں کا ایک دوسرے پر کیچڑ پھینکنا، پاکستان بنانے والی جماعت مسلم لیگ کا دو اور تین ٹکڑوں میں بٹ جانا اور سخت جان سیاسی کارکنوں کو کئی کئی سال کی سزا اور کوڑوں کے ذریعے انہیں ملکی سیاست سے توبہ تائب کرنے پر مجبور کرنا چند ایسے اقدامات ہیں جن کا مقصد سیاسی کارکنوں کی ہمت شکنی اور سیاستدانوں کو ذلیل کرنے کے ساتھ سیاسی عمل کو ایک لمبے عرصے کے لئے تتر بتر کرنا معلوم ہوتا ہے۔

پاکستان میں سیاست اور سیاستدانوں کے ہاتھ پیر باندھنے کے سلسلے میں حکومت کا تازہ ترین قدم حکومت کی وہ زبانی ہدایات ہیں جو پورے ملک کے ڈپٹی کمشنروں کو دی گئی ہیں کہ ہر سطح پر شہری کمیٹیوں میں سابق فوجیوں کو بھی شامل کیا جائے۔ اس سلسلے میں معلوم ہوا ہے کہ ہر ضلعی انتظامیہ کو ایسے سابق فوجیوں کی فہرست بھی فراہم کی گئی ہے۔ جن میں دیئے گئے فوجیوں کو مختلف شہری کمیٹیوں میں کھپایا جائے گا۔ اس طرح سویلین کوٹے سے بھی اپنے قابل اعتماد بندے آگے لائے جائیں گے تاکہ آئندہ جو نظام ملک میں لایا جا رہا ہے اس کو کامیاب بنایا جا سکے۔ باخبر ذرائع کے مطابق ملک کے آئندہ انتظامی امور میں ان "شہری کمیٹیوں" کے ممبران کو انتہائی اہم کردار ادا کرنا ہے۔ موجودہ حکومت ایک پلان کے تحت ان شہری کمیٹیوں کے ذریعے اوپر سے نچلی سطح تک ایک ایسی نئی قیادت تیار کر رہی ہے جن کے ممبران کو ان کمیٹیوں کے ذریعے تربیت دے کر آئندہ کنٹرولڈ جمہوریت میں اہم کردار ادا کرنے کے لئے تیار کیا جائے گا۔

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ آہستہ آہستہ ان شہری کمیٹیوں میں فقط تین اقسام کے عناصر رہ جائیں گے جن میں سابق فوجی، جماعت اسلامی کے کارکن اور متفقین اور افسر شاہی کے سفارشی شامل ہوں گے۔ اس سلسلے میں جماعت اسلامی نے بھی اپنی تیاری مکمل کر لی ہے معلوم ہوا ہے کہ حال ہی میں حکومت پاکستان نے بنگلہ دیش سے مزید ۳۰ ہزار ترک وطن کرنے والوں کو بلوانے کا جو فیصلہ کیا ہے وہ جماعت اسلامی کے دباؤ پر کیا گیا ہے اس سلسلے میں یہ مفاہمت شامل ہے کہ فقط ان ۳۰ ہزار افراد کو پاکستان لایا جائے گا جن کا سرٹیفکیٹ جماعت اسلامی جاری کرے گی۔ اس سلسلے میں معلوم ہوا ہے کہ یہ سب کے سب جماعت اسلامی کے تربیت یافتہ صالحین ہوں گے۔ جماعت اسلامی کے مشورہ پر اس بات کا خاص خیال رکھا جائے گا کہ ان ۳۰ ہزار لوگوں میں ایک بھی بائیں بازو کی طرف جھکاؤ رکھنے والا نہ ہو، ساتھ ہی ان میں بریلوی عقیدہ کا بھی کوئی نہ ہو، کیونکہ جماعت کو اندیشہ ہے کہ بریلوی عقیدہ رکھنے والا آگے چل کر جمعیت العلمآ پاکستان کا ساتھ دے گا۔

حکمران طبقوں کی ہر معاملے کو حل کرنے کے سلسلے میں اپنا ایک مخصوص طریقہ ہوتا ہے۔ حکمران طبقوں کی رائے یہ ہے کہ پاکستان کے عوام حکمران طبقوں کی طرف سے دی گئی کوئی بھی چیز بلا چون و چرا قبول کر لیں گے بشرطیکہ وہ چیز مذہب کے لبادے میں لپٹی ہوئی ہو۔ باخبر سیاسی حلقوں کے مطابق یہی وجہ تھی کہ عوام کو محدود جمہوریت کی ایک جھلک دکھلانے سے پہلے حکومت عوام کے مذہبی جذبات کو مطمئن کرنا چاہتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ انتخابات کی بات کو التوا میں ڈال کر سب سے پہلے مذہب کی بات کی گئی اور ۱۲ ربیع الاول کو اعلان کئے گئے اقدامات کا خوب پروپیگنڈا کیا گیا کہ ملک

میں نظام مصطفےٰ نافذ ہو چکا ہے۔ نظام مصطفےٰ کے نفاذ کی جس انداز میں تشہیر کی گئی اس میں ایک بات سب سے زیادہ قابل توجہ تھی، وہ یہ کہ صدر جنرل ضیاالحق نے نظام مصطفےٰ نافذ کرنے کا کریڈٹ کسی اور کو نہیں فوج کو دیا اور ایک سے زیادہ موقعوں پر کہا کہ یہ حکومت فوج کی ہے اور نظام مصطفےٰ اسی نے نافذ کیا ہے۔ ساتھ ہی پی این اے کے سربراہ مولانا مفتی محمود نے بھی سرٹیفکیٹ دیا کہ یہ اعزاز فوجی حکومت کو ہے جس نے ملک میں نظام مصطفےٰ نافذ کیا ہے، تو جناب حکمران طبقوں کی باتوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ نظام مصطفےٰ نافذ کرنے کا کریڈٹ لینے کے بعد جب سیاسی اور معاشی نظام جو چاہیں عوام کو دیدیں، عوام اسے من و عن قبول کر لیں گے۔

باخبر سیاسی حلقوں کے مطابق حکمران طبقوں کے پلان کا دوسرا مرحلہ اس وقت شروع ہوگا جب ملکی سیاست سے پاکستان پیپلز پارٹی کا ایک سیاسی اکائی کی حیثیت میں خاتمہ ہو جائے گا اور حکمران طبقے سمجھتے ہیں کہ یہ مقصد اس وقت تک طے نہیں ہوگا جب تک کہ پی پی کے چیئرمین مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کا وجود ملکی سیاست سے تحلیل نہیں ہو جاتا۔ ان حلقوں کے مطابق بھٹو کا جب تک وجود باقی ہے چاہے وہ کسی حیثیت میں بھی ہو، پاکستان پیپلز پارٹی ملکی سیاست میں باقی رہے گی۔ مگر حکمران طبقے جس بات کو بھول رہے ہیں وہ یہ کہ ملکی سیاست سے بھٹو کے ہٹ جانے سے جو خلا پیدا ہوگا اسے ایسی قوتیں بھریں گی جو ان حلقوں کو دن میں تارے دکھا دیں گی۔

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ حکومت اس صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لئے بھی انتظامات کر رہی ہے اور اس سلسلے میں حکومت مسلسل بلوچ قیادت سے رابطے میں ہے مگر معلوم ہوا ہے کہ حکومت کو اس سلسلے میں کامیابی نصیب نہیں ہو رہی ہے۔ بلوچ قیادت تو اڑی ہوئی ہے اور اب تو اطلاع آئی ہے کہ سندھ میں بھی ایک نئی تنظیم بنائی گئی ہے جس کا نام سندھ نیشنل فرنٹ بتایا جاتا ہے۔ اس تنظیم میں مختلف سیاسی جماعتوں کی سندھ سطح کی تنظیمیں شامل ہیں۔ فی الحال اس کو ظاہر نہیں کیا جا رہا ہے۔ خیال ہے کہ یہ تنظیم ملکی سیاست سے بھٹو کے ہٹائے جانے کے بعد سرگرم ہوگی۔

■

بات بے بات

ڈکاریں مارنے کی سرکاری ذمہ داری

سچ منا

حاجی عدیل

چوہدری ظہور الٰہی ہمارے ملک پر چھائے ہوئے سیاسی غبار میں اس طرح غلطاں ہیں کہ انہیں سوائے اپنے ہاتھ پیروں کے کچھ اور نظر ہی نہیں آتا اور وہ اپنے ہاتھوں کو ایک مخصوص انداز میں نچاتے ہوئے نعرے لگا رہے ہیں کہ یا بارہ ربیع الاول والے نظامِ اسلام مجھے اپنی پناہ میں لے تاکہ چند روز اور میرے بے اختیار اقتدار کا پھٹا ہوا ڈھول بجتا رہے اور میرے کانوں سے وہ آوازیں دور دور ہی رہیں جو میری سماعت کو میرے کردار سے آشنا کرنے کے لئے بار بار حملے کر رہی ہیں۔

فوجی حکومت کی دُم چھلا نامزد سول کابینہ میں دو وزیر ایک محمود اعظم فاروقی اور ایک چودھری ظہور الٰہی شاہ کے مارے والے وفادار ہیں۔ اور ان کا سرکاری کام صرف یہ ہے کہ بات بے بات پر سر کے بل کھڑے ہو کر کھٹی میٹھی ڈکاریں مارتے رہیں۔ چونکہ پاکستانی عوام ڈکاروں کی زبان سے ہنوز نا آشنا ہیں اس لئے شاہ کے نامی گرامی قوال صفت وفاداروں کی بات بہ زبان ڈکاران کی سمجھ ہی میں نہیں آتی اور انہیں ہر ڈکار کے بعد مایوسی کے عالم میں ظلِ سبحانی کی طرف ہی داد طلب نظروں سے دیکھنا پڑتا ہے اور معروف ترین ظلِ سبحانی اپنے دم ہلاتے وفاداروں کی داد طلبی پر تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہہ دیتے ہیں چڑھ جا بیٹا سولی پر رام بھلی کرے گا۔

اگر ہم نجومی ہوتے تو سولی پر چڑھے ہوئے چوہدری اور فاروقی صاحب کے مستقبل کے بارے میں اظہارِ خیال کر کے کچھ نام پیدا کر لیتے لیکن برا ہو علم نجوم کا کہ اس نے ہمارے سینہ میں اترنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی اگر علم نجوم کی مت نہ ماری گئی ہوتی تو یہ ہمارے سینہ میں پناہ لیتا اور ہم چوہدری اور فاروقی صاحب کے مستقبل کے ساتھ ہی ساتھ عام انتخابات سے قبل بلدیاتی انتخابات کی پیشگوئی کرتے اور عام انتخابات سے قبل اسلام کے مکمل نفاذ کے عرصے کا تعین کرتے ہوئے لکھتے کہ اسلام کا مکمل نفاذ کم از کم تین سال میں ہو جائے گا اور مختلف زائچے کھینچ کر یہ بات ثابت کر دیتے کہ اسلام کے پوری طرح نافذ ہونے کے بعد انتخابات بالکل بے معنیٰ ہو جائیں گے اور ان کا انعقاد وقت اور قومی سرمایہ ضائع کرنے کے مترادف ہے۔

نیک دل، سادہ مزاج اور واقفِ حال صاحبو! بات بے بات پر ڈکاریں مارنے کی سرکاری ذمہ داری کچھ بے اقتدار اور بے اختیار وابطہ افسروں، مفتی محمود، نوابزادہ نصر اللہ خان اور میاں طفیل محمد کے کندھوں پر بھی ہے اور یہ حضرات باری باری اپنی ذمہ داری سے کماحقہٗ عہدہ برآ ہونے کے مرض میں مبتلا ہیں۔ گذشتہ چند دنوں سے انکی ڈکاروں میں نامعلوم وجوہ کی بنا پر تیزی آگئی ہے۔

مارشل لاء سول کابینہ اور مسلح افواج کے سربراہ نے اسلامی تعزیرات کی ایک قسط جب بارہ ربیع الاول کو نافذ کی تو میاں طفیل نے نعرہ لگایا، ماشاءاللہ، سبحان اللہ اے میرے ناسمجھ، بینائی اور سماعت سے محروم چاہنے والو! آج اللہ کے فضل سے پاکستان وجود میں آگیا!!

صاحبو! ہمارے خیال ہی میں نہیں بلکہ حقیقت بھی یہی ہے کہ پاکستان تو یوم آزادی ہی کو وجود میں آگیا تھا لیکن چونکہ میاں طفیل مودودی ازم کا شکار ہیں اس لئے انہیں پاکستان کافرستان ہی نظر آتا رہا اور حضرت قائدِ اعظم اپنے پیر و مرشد مودودی کی طرح انہیں بھی کافرِ اعظم ہی دکھائی دیتے رہے اس کافرِ اعظم اور مسلم عوام کی کوششوں قربانیوں کے نتیجہ میں بننے والے پاکستان کو انہیں مصلحتاً پاکستان کہنا تو پڑا تھا لیکن بقول ان کے وہ بارہ ربیع الاول تک دل سے اسے پاکستان تسلیم کرنے پر تیار نہیں تھے جب جنرل ضیا نے ان کے پیر و مرشد کے منشور کے عین مطابق "اسلام" نافذ کر دیا تو انہوں نے خوشی سے نعرہ لگا دیا

"آج پاکستان وجود میں آگیا" اب اللہ ہی جانے جناح صاحب کے "کافرستان" کے مقابلے میں ان کا باؤ ربیع الاوّل کو وجود میں آنے والا "پاکستان" کتنے دن برقرار رہتا ہے ہمارے خیال میں تو ان کے "پاکستان" کی زندگی اُن کے اقتدار کی زندگی کے ساتھ منسلک ہے۔ جہاں ان کے اقتدار نے انہیں دھتکار دیا ویسے ہی ان کا وجود میں آنیوالا پاکستان بھی اللہ کو پیارا ہو جائے گا۔ اس کے برعکس مسلم عوام اور قائداعظم نے جس "کافرستان" کی بنیاد "پاکستان" کے نام سے بے مثال قربانیوں کے بعد رکھی ہے وہ دائم و قائم ہی رہے گا۔

صاحبو! میاں طفیل اور ہمارے مفکر اسلام مودودی صاحب تو خیر اپنے مسلک کو مصلحت کی دلدل میں جھونکنے کے عادی ہیں اور ان کا موقف ہوا کے رُخ کے ساتھ ساتھ رُخ بدلتا رہتا ہے لیکن صرف یہ صفت ان ہی کی میراث نہیں اس کے کئی حضرات اور وارث ہیں اور آج کی بساطِ سیاست پر شاہ کے گرد جن مہروں کا گھیرا ہے وہ سارے کے سارے پیدل ہی ہیں اس لئے سب کا نام لے کر ان کی ذات گرامی پر اظہار خیال کرنا وقت کو نہ صرف ضائع کرنا ہے بلکہ ان کی "اہمیت" بنانے کے برابر بھی ہے اس لیئے آیئے کچھ موسم کے بارے میں گفتگو کریں فلموں پر تبادلۂ خیال ہو جائے، رشوت کے لین دین، چور بازاری، اسمگلنگ، بازارِ حُسن، عریانی اور سونے کے بھاؤ کے اتار چڑھاؤ پر کچھ گپ شپ کرلیں۔

صاحبو! ہم نے جن موضوعات پر دعوتِ گفتگو دی ہے اس کے علاوہ اگر آپ نے کسی اور موضوع پر ہم سے اظہار خیال کرنے کی مثلاً ذوالفقار علی بھٹو، ہماری عدلیہ، موجودہ حاکموں کا طرز عمل اور طرز فکر وغیرہ کی استدعا کی تو ہم جو کچھ کہیں گے وہ قابلِ دست اندازیٔ پولیس ہوگا۔ مقدمے بنیں گے قید با مشقت ہوگی کوڑے لگائے جائیں گے توہین عدالت کے پہلو بھی نکل سکتے ہیں قانون کی حکمرانی کی موجودگی میں اگر ہم توہین عدالت کے سنگین جرم کے مرتکب ہو جائیں تو پھر ہمارا بچ جانا ممکن ہی نہیں اس لئے کہ جناب بھٹو کے سلسلے میں تو تقریباً تمام دنیا کے سربراہان اور سیاست دانوں نے ہمارے اندرونی معاملات میں مداخلت کرتے ہوئے اپیلیں کردیں اور تو اور جماعت اسلامی اور اس کے بانی کی مرضی کے خلاف کعبہ کے متولی، پاسبان حرم اور مسلم دنیا کے ایک اہم ستون نے بھی ہمارے اندرونی معاملات میں مداخلت کرنے کا نیک کام کر دیا لیکن صاحبو! ہمارے لئے کون اپیل کرے گا؟ ہمارے واسطے کون پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرے گا؟ اس لئے ہماری طرف سے معذرت قبول کریں اور نظر ثانی کی درخواست کی سماعت تک سیاست کے بدلتے ہوئے رنگ اور نامزد وزراء، قومی اتحاد اور اس سے باہر آئے ہوئے سیاست کے ماہرین کے گرم و سرد بیانات اور ناقابل فہم ٹوکاروں اور جنرل ضیاء صاحب کے انٹرویوز سے عبرت پکڑتے رہیئے اس میں نہ نقصان ہے اور نہ ہی مالی فائدہ اور اگر آپ نے زبانیں پکڑنے کی طرف رجوع کر لیا تو پھر کوڑے لگنے کے امکانات ہیں۔

صاحبو! اب آپ خود فیصلہ کیجئے کہ آپ کو عبرت پکڑنی ہے یا زبانیں!

**

مبصر کے قلم سے

شرم تم کو مگر نہیں آتی.......

پچھلے ہفتے ایوب آمریت کے دور کے مشہور سیکریٹری اطلاعات جناب الطاف گوہر صاحب نے جو کافی عرصے لندن میں مقیم ہیں ایک مضمون میں بھٹو صاحب کے خلاف اپنا ایک "قرطاس ابیض" جاری کیا ہے ایک ایسے وقت میں جب سابق وزیر اعظم موت کی کوٹھڑی میں بند پھانسی پر چڑھنے کا انتظار کر رہے ہیں الطاف گوہر کی جانب سے "تیسری دنیا" کے نام پر گارجین میں اس قرطاس کی اشاعت اور بھٹو پر حملہ معنی خیز ہے اس میں ۱۹۶۵ء کی جنگ کو موضوع بنایا گیا ہے اور انہوں نے متعدد واقعات کے بارے میں اپنی نجی یادداشتیں درج کی ہیں۔ اس کے بارے میں انگریزی کی وہ کہاوت یاد آتی ہے۔ کہ شیشے کے گھر میں بیٹھ کر دوسروں پر پتھر پھینکنا جناب الطاف گوہر ایک سی ایس پی ہیں۔ اور انہوں نے ایوب آمریت کو فروغ دینے اور اسے مستحکم کرنے اور ملک میں جمہوریت کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے میں جو کارنامے انجام دیئے ہیں اس ملک کے لوگ ان سے ناواقف نہیں ہیں جب بھٹو صاحب کے زمانے میں ڈان کے چیف ایڈیٹر کی حیثیت سے وہ گرفتار ہوئے تو پی ایف یو جے اور صحافیوں نے سخت احتجاج کیا تھا اور اس کے باوجود کہا تھا کہ مسٹر الطاف گوہر نے ایوب حکومت کے دور میں اختلاف اور تنقید کی آواز کو دبانے اور صحافت کی آزادی کو کچلنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا وہ اس پریس آرڈیننس کے مصنف سمجھے جاتے ہیں جس کی تمام سیاسی جماعتوں نے مخالفت کی اور اس کی تنسیخ کا مطالبہ کیا انہیں کے ہاتھوں نیشنل پریس ٹرسٹ جیسے قوم دشمن اور صحافت دشمن ادارے کی بنیاد پڑی۔ اب وہ پارسا بن کر اپنے دور کے وزیر خارجہ میں کیڑے نکال رہے ہیں اور آزادی اور جمہوریت کے نعرے لگا رہے ہیں لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ آپریشن جبرالٹر ہوا یا نہ ہو۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں کم از کم ملک کو شکست نہیں ہوئی تھی ہماری فوجوں نے ہندوستان کی افواج کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے تھے اور نہ نصف ملک ہمارے ہاتھ سے نکلا تھا۔ کیا ستم ظریفی ہے کہ ۱۹۷۱ء میں ایک فوجی جرنیل یحییٰ خان کے تحت جنگ میں ملک نے جو کچھ کھویا اس پر الطاف گوہر کا قلم نہیں اٹھا لیکن وہ ۶۵ء کی جنگ میں کیڑے نکالنے پر مُصر ہے کیونکہ اس وقت حکم یہی ہے کہ بھٹو کے خلاف ایک عدد قرطاس ابیض تم بھی شائع کرو اور اس طرح موجودہ حکومت مارشل لاء حکومت سے اپنی وفاداری کا ثبوت بہم پہنچاؤ کیونکہ ہم تمہیں اس کے عوض روٹی پلانٹ سے کہیں زیادہ نوازیں گے۔ ستم بالائے ستم یہ ہے کہ اب الطاف گوہر صاحب نے ایک عدد ایوارڈ بھی اپنے لئے ارزانی فرمالیا ہے ایوارڈ بھی خود ہی قائم کیا، اور لے بھی خود ہی لیا۔ اس سادگی پر مرجانے کو جی چاہتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ لندن کی آب و ہوا نے موصوف کو کچھ زیادہ ہی سادہ بنا دیا ہے اور پرکار بھی۔ یہ بھی بیک ڈیماکریسی قسم کی سادگی اور پُرکاری ہے اور مزید چار چاند منظم علی صاحب کی تربیت نے لگا دیئے ہیں۔ سنا ہے کہ منظم علی کی طرح یہ بھی شیر بننے والے ہیں سانفرمیشن کے شیر۔

آؤ ہم اشتراکی دیہی تعمیر کی عظیم الشان کامیابیوں کو مزید ترقی دے کر اور زیادہ مستحکم بنا دیں

کامریڈ کم ال سنگ

صدر عوامی جمہوریہ کوریا

اس کانگرس میں موجود تمام زرعی کارکنوں نیز ہمارے ملک کے تمام زرعی محنت کش عوام کو پارٹی کی پیش کردہ اس منزل کو حاصل کرنے کے لئے جرأت و دلیری کے ساتھ جدوجہد کرنی چاہیئے اور اس طرح اس کانگرس کو زراعت کو مشینی بنانے کی کانگرس، اور زراعت میں کیمیاوی مرکبات کے استعمال کی کانگرس بنا دینا چاہیئے۔

دیہی فنی انقلاب کے فرائض کو کامیابی سے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ہمیں سائنس دانوں اور فنی ماہروں کے ساتھ کو بطریق احسن سرانجام دینا چاہیئے۔

قومی اہلکاروں کی تربیت کے متعلق ہماری پارٹی کی صحیح پالیسی کے طفیل ہمارے ملک میں سائنسدانوں اور فنی ماہروں کی ایک بہت بڑی تعداد کو تربیت دی جا چکی ہے۔ ہمیں تسلیم ہے کہ ان کی قابلیت کا معیار کسی قدر پست ہے کیونکہ ان قومی اہلکاروں کو کثیر تعداد میں اور ایک مختصر سے عرصہ میں تربیت دی گئی تھی تاہم ہمیں اس کی شکایت نہیں کرنی چاہیئے۔

آج ہمارے دانشور پارٹی اور انقلاب کی خاطر شب و روز انتہائی خلوص سے کام کر رہے ہیں۔ ہمارے ملک کے تمام کارخانے اور صنعتی ادارے یہی دانشور چلا رہے ہیں جنہیں خود ہم نے تربیت دی ہے۔ ہمارے دانشور انتہائی بہادر لوگ ہیں جب ہمارے ملک میں پہلا ٹریکٹر تیار ہوا تھا تو ہمارے فنی ماہرین نے ٹریکٹر بنانے کے لئے ایک ٹریکٹر کے تمام پرزے الگ الگ کر دیئے تھے اور پھر اس کے تمام پرزوں کے یکے بعد دیگرے خاکے تیار کئے تھے۔

ہمارے فنی ماہرین نے خود اپنی ہی کوششوں سے متعدد جدید کارخانے مشینیں اور دیگر ساز و سامان تعمیر اور تیار کئے ہیں اگرچہ ہمارے سائنسدانوں اور فنی ماہرین کو ابھی تک خاطر خواہ تجربہ نہیں ہے اور ان کا فنی معیار بھی پست ہے تاہم وہ اپنی آئندہ عملی جدوجہد کے ذریعہ بہتر تجربات حاصل کر لیں گے اور اپنے فنی معیار کو بھی بہتر بنا لیں گے۔ اگر ہم سائنسدانوں اور فنی ماہرین کے ساتھ ساتھ کام کو بطریق احسن انجام دیں اور انہیں عمل پر ابھاریں تو ہم اپنی سائنس اور ٹیکنالوجی کو تیز رفتاری سے ترقی دینے اور فنی انقلاب کو کامیابی سے فروغ دینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

تاہم اس وقت سرکردہ افراد سائنسدانوں اور فنی ماہرین کے ساتھ

کام کو بطریقِ احسن سرانجام دینے میں ناکام رہے ہیں۔ سائنسدانوں اور فنّی ماہرین کو کسی عہدہ پر متعین کرنے کے بعد ان کی تعلیم کے کام کو تقریباً بالکل ہی نظر انداز کر دیا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان میں سے ایک بہت بڑی تعداد اس امر سے آگاہ نہیں ہوتی کہ انہوں نے کون سا کام ٹھیک اور کون سا غلط کیا ہے اور وہ اپنا کام ایک بے ہنگم انداز میں فرسودہ طریقوں سے خراب کرتے رہتے ہیں۔

چونکہ ان لوگوں کے ساتھ کام صحیح طور پر نہیں کیا جاتا اس لئے ہمارے ملک کا سائنسی اور فنّی معیار مجموعی طور پر کچھ زیادہ بہتر نہیں ہے اور خاص طور پر زراعت میں تو سائنس اور ٹیکنالوجی بہت پسماندہ ہیں اس وقت متعدد ممالک بیجوں کو وسیع پیمانے پر بہتر بناتے ہوئے غلّہ کی پیداوار میں کئی گنا اضافہ کر رہے ہیں اور اسے وہ "سبز انقلاب" کا نام دیتے ہیں لیکن ہمارے سائنسدان اور فنی ماہرین اس کام کو خاطر خواہ طور پر انجام نہیں دے رہے۔

ہماری سائنس اور ٹیکنالوجی دوسروں سے پیچھے کیوں رہتی ہے اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارے سرکردہ افراد سائنسدانوں اور فنّی ماہرین کے ساتھ اپنے کام کو بطریقِ احسن سرانجام نہیں دیتے اگر ہم نے فنّی انقلاب کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا ہے تو ہمیں ان لوگوں کے ساتھ جو ٹیکنالوجی کا علم رکھتے ہیں یعنی جنہوں نے اعلیٰ فنّی اداروں سے تعلیم حاصل کی ہے یا خود کو فنّی تعلیم سے آراستہ کیا ہے، کام کو بطریقِ احسن انجام دینا ہوگا۔

سائنسدانوں اور فنّی ماہرین کے ساتھ کام کرتے وقت سب سے زیادہ اہمیت اس امر کو دی جانی چاہیئے کہ مطالعہ کے لئے ان کے سپرد معیّن فرائض کئے جائیں۔ ہمیں ان کے سپرد واضح اور معیّن فرائض کرنے چاہئیں اور انہیں بتانا چاہئے کہ انہیں اس معیّن مسئلہ پر مطالعہ کرنا ہے اور ان مخصوص کتابوں کو پڑھنا ہے۔ وگرنہ وہ محنت سے مطالعہ نہیں کریں گے۔ اس وقت سائنسدان اور فنّی ماہرین کے سپرد مطالعہ کے لئے معیّن فرائض نہیں کئے جاتے لہٰذا ان کی ایک بہت بڑی تعداد اپنی تمام تر توانوں کو سائنسی تحقیق پر صرف نہیں کرتی اور کسی مخصوص قابلِ ذکر کام کو سرانجام دیئے بغیر محض اپنا وقت ضائع کرتی رہتی ہے۔

اگر ہم اپنے ملک کی سائنس اور ٹیکنالوجی کو بسُرعت ترقی دینے کے خواہاں ہیں تو ہمیں تمام سائنسدانوں اور فنّی ماہرین کے سپرد مطالعہ کے لئے معیّن کام کرنے چاہئیں تاکہ وہ سائنسی تحقیق کے لئے خود کو پوری طرح وقف کر سکیں۔

علاوہ ازیں ثقافتی انقلاب کو بھی سرگرمی سے فروغ دیا جانا چاہیئے فنّی انقلاب کی بھرپور ترقی کے لئے بھی یہ ضروری ہے۔ دیہات میں ثقافتی انقلاب کے ضمن میں سب سے پہلے اس امر کے لئے خاطر خواہ کوشش کی جانی چاہئیں کہ کسانوں میں فنّی تعلیم کو تیز تر کرتے ہوئے ان کے فنّی اور ثقافتی معیار کو بہتر بنایا جائے۔

دیہی فنّی انقلاب کو کامیابی سے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ضروری ہے کہ دیہات کو مزید ٹریکٹروں اور کیمیاوی کھادوں کی فراہمی کے ساتھ ساتھ زرعی شعبہ کے کارکنوں اور کسانوں کے سائنسی اور فنّی تعلیم کے معیار کو تیزی سے بہتر بنایا جائے۔ دیہی فنّی انقلاب کو محض دیہات میں جانے والے زرعی کالجوں کے فارغ التحصیل طلباً یا زرعی شعبہ کے چند ایک سائنسدانوں کے ذریعہ کامیابی سے پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچایا جا سکتا۔ یہ ایک پرانی کہاوت ہے کہ ایک جنرل فوج کے بغیر جنرل نہیں ہوتا لہٰذا کوئی بھی شخص اکیلے کوئی کام نہیں کر سکتا۔ سائنسدانوں اور فنّی ماہرین کو کسانوں کے وسیع حلقوں کو سائنسی اور فنّی تعلیم دینی چاہیئے اور ایسے افراد کو کثیر تعداد میں تیار کرنا چاہیئے جو دیہی فنّی انقلاب کو پوری قوّت سے فروغ دے سکیں۔ اس کے بعد ہی دیہی فنّی انقلاب کے فرائض کو کامیابی سے پایۂ تکمیل تک پہنچایا جا سکے گا۔

منڈی بہاؤالدین

نمائندہ خصوصی

ٹریڈ یونین سرگرمیوں پر سے پابندی ختم کی جائے، حق ہڑتال دیا جائے

مزدور اتحاد سب ڈویژن منڈی بہاؤالدین کے زیر اہتمام ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس کی صدارت اس کے چیئرمین چوہدری محمد اقبال جاڑا ایڈووکیٹ نے کی راوی ریان ملز یونین کالا شاہ کاکو کے صدر محمد اسلم مزدور کمیٹی کوٹ لکھپت لاہور کے رہنما بشیر دردی اور مزدور کمیٹی پنجاب کے رہنما محمد یعقوب نے خصوصی دعوت پر اس کانفرنس میں شرکت کی جبکہ علاقہ کے طلباء مزدور کسان، صحافی، وکلاء اور محنت کش تنظیموں کے نمائندوں نے بھی شرکت کی، اسٹیج سیکرٹری کے فرائض شاہ تاج شوگر ملز منڈی بہاؤالدین کی سودا کار ایجنٹ لیبر اینڈ اسٹاف یونین کے جنرل سیکرٹری چوہدری فتح محمد مہدی نے سر انجام دیئے۔

راوی ریان ملز یونین کے صدر محمد اسلم نے کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اب وقت کی اہم ترین ضرورت ہے کہ پاکستان بھر کے محنت کش ایک پلیٹ فارم پر متحد ہو جائیں اس کے لئے ضروری ہے کہ جس طرح سندھ سرحد اور بلوچستان کے محنت کش صوبائی سطح پر متحد ہو رہے ہیں پنجاب کے محنت کش بھی ایک ہی پلیٹ فارم پر متحد ہو رہے ہیں انہوں نے کہا کہ غریب طبقہ کو متحد کرنا بے حد ضروری ہے اسے متحد اور منظم کرنے سے عوامی قیادت ابھرے گی بشیر دردی نے کہا کہ موجودہ غیر یقینی صورتحال سے نمٹنے کے لئے ملک بھر کے طلباء مزدور کسان صحافی اور مظلوم عوام کا متحد ہونا ضروری ہے۔

پنجاب کے مزدور رہنما محمد یعقوب نے کہا کہ آج کے تاریخی حالات اس امر کے متقاضی ہیں کہ پنجاب کی حقیقی عوامی محب وطن اور ترقی پسند قوتیں متحد ہو کر ایک ایسا پروگرام ترتیب دیں جو ہماری قومی جمہوری عوامی اور ترقی پسند امنگوں اور مقاصد کا بھرپور اظہار کرے اس مقصد کے لئے پنجاب بھر کے محنت کش حلقوں سے رابطہ کی مہم جاری ہے پنجاب بھر کے ۲۱ اضلاع میں طلباء مزدور کسان صحافی وکلاء اور دیگر روشن خیال تنظیموں سے رابطہ کے بعد ۲۳ مارچ کو لاہور میں ایک لوک کانفرنس منعقد کی جائیگی جس میں پنجاب بھر کے ترقی پسند وطن دوست، جمہوریت پسند سیاسی کارکنوں، دانشوروں، محنت کشوں اور متوسط طبقے کے لوگوں کو شمولیت کی دعوت دی جائے گی۔ اس کانفرنس میں ایسا انقلابی پروگرام ترتیب دیا جائے گا جو کہ پنجاب کی دھرتی سے جڑا ہوا ہوگا۔ عوام کی امنگوں کا سچا مظہر اور ہمہ گیر نجات کا راستہ دکھاتا ہوگا اس پروگرام پر ایک ایسی تنظیم کی تشکیل کی جائے گی جو انقلابی مشن کی تکمیل کے لیئے وسیع تر عوام اور ترقی پسند قوتوں کو متحرک و منظم کر سکے تاکہ عوام و وطن دوست جمہوری و ترقی پسند سیاست و ثقافت کو فروغ دیا جا سکے۔ اور عوام کے جمہوری و قومی حقوق اور معاشی و سماجی انصاف کے لئے ہمہ گیر جدوجہد کی جا سکے محمد یعقوب نے کہا کہ پنجاب کی دھرتی کے بیٹو اٹھو اور وقت کے بلاوے کو پورا کرو۔ انہوں نے آج کے بحران کو انقلابی قرار دیا اور کہا کہ اس کے حل کا واحد طریقہ انقلابی قوتوں کو کرنا ہے اس کے لئے ہم نے ضلع کی سطح پر کانفرنس منعقد کرنے کا بھی پروگرام بنایا ہے

ممتاز قانون دان راجہ محمد انور ایڈووکیٹ نے اپنی تقریر میں کہا کہ ہمارا مہذب معاشرہ محنت کش عوام کے دم قدم سے قائم ہے لہذا ہمیں چاہیئے کہ محنت کش کے حقوق و مفادات کے حصول کی خاطر ان کی جدوجہد میں شریک ہوں انہوں نے مزدوروں پر زور دیا کہ وہ اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں تاکہ ہم اپنے مشن کی تکمیل کر سکیں انہوں نے اپنی طرف سے لوک کانفرنس کو کامیاب بنانے کے لیئے ہر قسم کے تعاون کا یقین دلایا۔

چوہدری محمد اقبال جاڑا نے اپنی تقریر میں مہمان مزدور لیڈروں کی انقلابی جدوجہد کو شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے یقین دلایا کہ تحصیل پھالیہ کے طلباء مزدور کسان اور دیگر محنت کش حلقے آپ کی اس جدوجہد میں برابر کے شریک ہیں انہوں نے کہا کہ وہ دن دور نہیں جبکہ یہاں کے محنت کش خوشحال ہونگے۔ ایک فلاحی معاشرہ قائم ہوگا اور لٹیرے اپنے انجام کو پہنچیں گے۔

انجمن صحافیان پھالیہ کے صدر میاں محمد شریف زاہد نے کہا کہ صحافی بھی محنت کشوں کی جدوجہد میں برابر کے شریک ہیں۔ اور ہماری جدوجہد صرف اور صرف ایک غیر طبقاتی معاشرے کے قیام کی خاطر ہے۔

قراردادوں کے ذریعے مطالبہ کیا گیا کہ ہفت روزہ ویو پوائنٹ کے کالم نگار اور پاکستان پریس انٹرنیشنل کے بیورو چیف حسین نقی، خالد چودھری، مسعود قمر مزدور رہنما عزیز الحسن، بشیر ظفر، نذیر مسیح، لقمان مرزا غفار خان، محمد رمضان، ختنہ خان، سلام جان، عوامی تحریک کے جنرل سیکرٹری، رسول بخش پلیجو، نوشاد چند دیگر کو جبار خان، النعیم الغنی، مقبول نظامانی اور جام ساقی سمیت تمام گرفتار شدہ طلباء مزدور کسان، صحافی وکلاء اور محنت کش کارکنوں اور رہنماؤں کو فی الفور رہا کیا جائے ٹریڈ یونین سرگرمیوں سے پابندیاں ختم کی جائیں ہڑتال کا حق دیا جائے۔ تمام کالے قوانین بشمول لازمی سروس ایکٹ پریس اینڈ پبلیکیشنز آرڈیننس منسوخ کیئے جائیں چھانٹیاں برطرفیاں اور تالہ بندیاں ختم کی جائیں سرکاری و نیم سرکاری اداروں سے برطرف شدہ مزدوروں کو بحال کیا جائے مزدوروں کی کم سے کم تنخواہ ایک ہزار روپے مقرر کی جائے کسانوں اور ہاریوں کی بے دخلیاں بند کی جائیں اور انہیں بحال کیا جائے تمام تعلیمی ادارے کھولے جائیں تمام اخبارات و رسائل سے سنسر شپ ختم کی جائے اور منسوخ کیئے گئے ڈیکلریشن بحال کیئے جائیں رود ہڑی اور دیگر جگہوں پر مزدور رہنماؤں کو دی گئی کوڑوں کی سزا منسوخ کی جائے اور ان کو رہا کیا جائے شاہ تاج شوگر ملز منڈی بہاؤالدین کے مزدوروں کے مطالبات پورے کیئے جائیں۔ ●

بقیہ:- پرانی سیاست گری

مارشل کے باوجود آزادی صحافت کی ضمانت کا یقین دلایا اور کہا کہ وہ پریس آرڈی نینس بھی منسوخ کر دیں گے، لیکن اس وعدہ میں ڈیڑھ سال سے زیادہ گزار گئے، موجودہ حکومت نے نہ صرف پریس آرڈی نینس کو برقرار رکھا بلکہ اسے خوب خوب استعمال کیا۔ کئی اخبارات اور جریدوں کے گلے پر اس کی چھری پھیری گئی۔ اب یہ کہا جا رہا ہے کہ ضابطۂ اخلاق بنالو آخر اس کی ضرورت۔ آخر پریس آرڈی نینس جیسے کالے قانون کو ختم کرنے کے لئے ضابطۂ اخلاق بنانے کی شرط کیوں؟

آپ ایک طرف کہتے ہیں "قانون کی حکمرانی اور دوسری طرف کسی عام قانون کے تحت کسی عام عدالت میں کسی اخبار یا صحافی کا جرم آپ ثابت نہیں کرتے۔ کیونکہ آپ ثابت نہیں کر سکتے۔ آپ کا مقصد یہ ہے کہ اخبارات حکومت پر نکتہ چینی نہ کریں، وہ اختلاف کے جمہوری حق کو استعمال نہ کریں۔ اس لئے آپ کو ایک عدد کالے "قانون یعنی پریس آرڈی نینس کی ضرورت ہے' اس لئے اب مجبور ہو کر آپ یہ شرط لگا رہے ہیں کہ چلو بھئی قوم پر ہم احسان کرنے کے لئے تیار ہیں کہ پریس آرڈی نینس منسوخ کر دیں بشرطیکہ صحافی اپنے لئے ایک ضابطۂ اخلاق مرتب کریں اور اس پر عمل کرنے کا یقین بھی دلائیں فرض کیجئے کہ وہ ضابطۂ اخلاق مرتب کر لیتے ہیں اور اس پر عمل کرنے کا یقین بھی دلا دیتے ہیں لیکن معاشرہ میں قوانین تک کی خلاف ورزیاں ہوتی رہتی ہیں' لوگ قانون تو کیا آئین تک توڑنے میں باک محسوس نہیں کرتے' تو پھر آپ کیا کریں گے۔ ضابطۂ اخلاق کی پابندی اخلاقی امر ہوتا ہے' قانونی نہیں۔ اس لئے آخر میں پھر مسئلہ یہ آتا ہے کہ حکومت ہو یا کوئی شہری' اگر اسے کسی اخبار سے شکایت ہے تو وہ بڑی آسانی سے کسی قانون کے تحت عدالت میں چارہ جوئی کر سکتا ہے۔ اور اخبار یا صحافی کو قرار واقعی سزا دلا سکتا ہے۔ آخر اخبار والوں کے لئے خصوصی قوانین کیوں نافذ کئے جائیں اور ضابطۂ اخلاق بنانا ہے تو پھر ایک عدد جناب ضابطۂ اخلاق حکومتوں یا انتظامیہ کے لئے بھی بنایا جائے اور حکومتیں اعلان کریں کہ وہ بھی اپنے ضابطۂ اخلاق کی پابندی کریں گے' مثلاً اخبارات کے خلاف من مانی کارروائی نہیں کریں گے' تنقید کو برداشت کریں گی' اور جمہوری اختلاف کو خوش آمدید کہیں گی وغیرہ وغیرہ۔ پہلے حکومت اپنے لئے ضابطۂ اخلاق بنائے' پھر اخبار والے بھی اپنے لئے ایک ضابطہ بنالیں گے' ورنہ ہر دو کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ ملک کے آئین اور عام قوانین کا احترام کریں اور ان کی پابندی کریں،

قوانین کی تعریف میں کالے قوانین نہیں آتے اس لئے بغیر کسی شرط کے پریس آرڈی نینس منسوخ کر دینا چاہیے، کیونکہ عرض یہ ہے کہ یہ نہ صرف غیر جمہوری ہے بلکہ غیر اسلامی بھی ہے ورنہ مفتی محمود یا مولانا مودودی فتویٰ دیں کہ پریس آرڈی نینس اسلامی ہے۔ رہ گیا نیشنل پریس ٹرسٹ۔ چھوڑیئے صدر صاحب' اس کا توڑنا آپ کے بس کی بات نہیں' نہ این پی ٹی اخبارات کو حکومت کی غلامی سے آزاد کر سکتے ہیں۔ وہ اخبارات جو شب و روز آپ کی تعریف' آپ کی حکومت کی تعریف اور آپ کے ذاتی کارناموں کی تعریف میں رطب اللسان رہتے ہیں۔ ایسے اخبارات کے ٹرسٹ کو آپ کیسے توڑ سکتے ہیں۔ اسے بھٹو حکومت نے بھی نہیں توڑا تھا' اور آپ کے بس کی بات بھی نہیں۔ پریس آرڈی نینس باقی رہے گا' نیشنل پریس ٹرسٹ باقی رہے گا۔ اخباروں پر سنسر باقی رہے گا۔ اخباروں کو پریس ایڈوائس دینے کا سلسلہ جاری رہے گا۔ البتہ حکومت اور اس کے وزیر اطلاعات محمود اعظم فاروقی یہ دعویٰ مسلسل کرتے رہیں گے کہ جتنی آزادی آج اخبارات کو حاصل ہے' اس سے پہلے کبھی نہیں تھی۔

جناب صدر نے اپنی پریس کانفرنس میں اس مطالبہ کے جواب میں انتخابات کے انعقاد سے کم از کم تین ماہ پہلے موجودہ نام نہاد سویلین حکومت مستعفی ہو جائے' تاکہ انتخابات آزادانہ ہوں' یہ سوال کیا کہ "دنیا میں کوئی ایسا ملک ہے جہاں حکومت محض اس وجہ سے اقتدار چھوڑ دے کہ انتخابات ہونے والے ہیں؟" — جی ہاں درست فرمایا، لیکن دنیا میں کوئی ایسا ملک بھی بتا دیجئے کہ جہاں غیر منتخب حکومت کو حکومت قرار دیا جاتا ہو' اور جہاں مارشل لاء کو قانون کی حکمرانی گردانا جاتا ہو۔

جناب صدر نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ملک میں مارشل لاء کا نفاذ اس تحریک کا براہِ راست نتیجہ ہے جو ۵ جولائی سے پہلے پی این اے نے چلائی تھی۔ خوب۔ ۵ جولائی کے نشریہ میں تو یہ کہا گیا تھا کہ عوام کے درمیان خون خرابے کا اندیشہ تھا اس لئے امن و قانون بحال کرنے اور نوے دن کے اندر آزادانہ انتخابات کرانے کے لئے مارشل لاء لگایا گیا ہے۔ اب یہ نئی وجہ پیش' کی جا رہی ہے۔

خون کے پیاسے' اسلام کے دشمن

جناب بھٹو کے لئے جان بخشی کی اپیلوں نے بھٹو کے دوستوں اور دشمنوں کے ساتھ ساتھ اسلام کے نظام عدل کے لئے جو غور طلب مسئلہ پیدا کر دیا ہے وہ یہ ہے کہ جناب بھٹو پر بیک وقت اسلامی عدل بھی نافذ کیا جا رہا ہے اور برطانوی قوانین بھی مسلط کئے جا رہے ہیں۔ دریں حالانکہ دونوں قوانین کا نہ صرف مزاج الگ الگ ہے بلکہ فلسفۂ عدل بھی جدا جدا ہے۔

دیکھنے میں آیا ہے کہ جب بھی جناب بھٹو کے لئے جاں بخشی کی کوئی تازہ اپیل یا بیرونِ ملک کے سفارت کاروں کا کوئی وفد پاکستان آتا ہے تو تمام سرکاری اخبارات میں اسلام کے فلسفہ قصاص کی دہائی دی جانے لگتی ہے اور دنیا کو شدت کے ساتھ یہ باور کرانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اگر جناب بھٹو کی جان بخش دی گئی تو اسلام کے نظام عدل کی توہین ہو جائے گی وہ حوالے لاتے ہیں کہ اسلام نے کسی سربراہِ مملکت کو یہ حق نہیں دیا کہ وہ کسی قتل کے مجرم کی جان بخشی کر دے۔

جناب بھٹو کے خون کے پیاسوں کو جب اسلام ہی کے حوالے سے یاد دلایا جاتا ہے کہ عدل اسلام میں کسی وعدہ معاف کی گنجائش نہیں ہوتی جس کی بنیاد پر جناب بھٹو کو پھانسی کے تختے کی طرف دھکیلا جا رہا ہے' تو جواب دیا جاتا ہے کہ یہ حجت اس لئے درست نہیں کہ بھٹو پر اسلامی عدالت میں مقدمہ نہیں چلایا گیا بلکہ انگریزی قوانین کے تحت مروجہ عدالت میں مقدمہ چلایا گیا ہے' لہٰذا وعدہ معاف گواہ کی قانونی حیثیت کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔

اس صورت حال میں انصاف اور اسلام کا کوئی بھی بہی خواہ اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے سے قاصر ہے۔ لوگ یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ وعدہ معاف گواہ کے لئے تو انگریزی قانون عدالت کو بھی درست سمجھا جاتا ہے جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں مگر جان بخشی کے لئے اسلام کے فلسفۂ قصاص کی شرط عائد کر دی جاتی ہے۔ لوگ حیران ہیں کہ بھٹو کے دشمن اتنے سفاک کیوں ہیں کہ وہ اپنے ایک بلند قامت سیاسی حریف کو اپنی راہ سے ہٹانے کے لئے ملک کو داؤ پر لگانے کے ساتھ ساتھ اسلام کو بھی داؤ پر لگانے پر تل گئے ہیں۔

بقیہ:- پاکستان پر احسان

کے تحت سزا پانے کی بنا پر اگر سزائے موت کو سزائے قید میں بدل بھی دیا جائے تو جناب بھٹو سیاست میں حصّہ لینے کے اہل نہیں رہ جاتے۔

۲۔ جناب بھٹو کی جان بخشی کا فیصلہ کرنے کی مجاز اگرچہ موجودہ حکومت ہی ہوگی تاہم اگر یہ فیصلہ ہوگا تو اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس فیصلے کے اصل محرکات خارجی دباؤ ہوں گے اس فیصلے کو حکومت کا خوش دلانہ فیصلہ کہنا بہرحال مشکل ہوگا۔

۳۔ بھٹو کی جان بخشی کے لیے ان کے سیاست میں حصّہ نہ لینے کو قیمت سمجھنا بھی مشکل ہے اس لئے کہ اگر حکومت ایسا کرے گی تو بادی النظر میں وہ ملک کے مفاد میں ایک ایسا اقدام کرے گی جو ملک کی یکجہتی اور سلامتی میں مدد دے سکتا ہے کوئی احمق ہی ہوگا جو بھٹو کی جان بخشی کو صرف اور صرف ایک فرد کی جان بخشی کا مسئلہ سمجھتا ہو لہذا دانشمندانہ سوچ یہ باور کرنے کے لئے آمادہ نہیں کہ حکومت جناب بھٹو کی جان بخشی کے سلسلے میں ملک کی یکجہتی سے بڑھ کر کسی قیمت کا مطالبہ کرے۔

۴۔ بنیادی بات جناب بھٹو کا زندہ رہنا ہے اگر وہ زندہ رہتے ہیں تو ان کی سیاست بھی زندہ رہے گی حالات و واقعات کبھی ایک جیسے نہیں رہتے نہ انہیں انسانی خواہشات کے تابع رکھا جا سکتا ہے۔ لہذا جناب بھٹو کی جان بخشی کی قیمت یا سودے کے بارے میں سردست کوئی حتمی رائے قائم کرنا نہ صرف مشکل ہوگا بلکہ قبل از وقت بھی ہوگا ہو سکتا ہے "جسارت نما" لال بجھکڑ آنے والے کل کو نئے انکشافات لے کر سامنے آئیں مگر وہ پریشان کن اس لئے نہ ہوں گے کہ جسارت تو مولانا مودودی پر بھی بہتان لگانے سے دریغ نہیں کرتا۔ ۵۔ بات اگر سودے بازی ہی کی ہے تو اس پہلو پر بھی سوچا جا سکتا ہے کہ جناب بھٹو اپنی زندگی کی قیمت پر موجودہ حکومت سے بہتر پوزیشن میں ہیں یہ ایک طے شدہ بات ہے کہ جناب بھٹو کی زندگی بظاہر ایک فرد یا ایک خاندان کا مسئلہ ہونے کے باوجود سات کروڑ عوام اور ملک کا بھی مسئلہ ہے اگر حکومت جناب بھٹو کو قانون کی سُولی پر چڑھانے میں قانون کی بالادستی سمجھتی ہے تو یہی عمل ملک اور عوام کے لیے ایک مختلف نقطۂ نظر اور ایک برعکس ردّعمل کا حامل بھی ہو سکتا ہے مسلح افواج کے ذریعے شریعت کے نفاذ میں ہو سکتا ہے مدد مل سکتی ہو مگر مارشل لاء کے ذریعے قانون کی بالادستی کا تصور کبھی بھی قابل

قبول نہیں ہو سکتا۔ مشرقی پاکستان ہماری اپنی ہی تاریخ کا گواہ ہے لہذا جناب بھٹو کی جان بخشی کے مسئلے کو صرف اور صرف اس پہلو سے دیکھنا کہ یہ جناب بھٹو کے حق میں ہے درست نہیں۔ ہمیں با دلِ نخواستہ ہی سہی اس حقیقت کو تسلیم کرنا ہوگا کہ جناب بھٹو کی جان بخشی جناب بھٹو پر کسی احسان یا حُسنِ سلوک کی بات نہ ہوگی کیونکہ بھٹو کی جان بخشی درحقیقت پاکستان کی جان بخشی کے ہم معنیٰ ہے اگر بھٹو اور پاکستان ہم معنیٰ نہ ہوتے تو دنیا میں اتنا کہرام نہ پیدا ہوا ہوتا اور حکومت کو اپنے قانون کے نفاذ کے سلسلے میں پورے ملک میں اس قدر حفاظتی بندوبست کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

بقیہ:- اسلام آباد

ہے کہ وہ مسٹر بھٹو کے معاملے میں سپریم کورٹ کے فیصلے کی پوری پوری پابندی کریں گے اور اس فیصلے کے خلاف ہرگز نہیں جائیں گے۔ دوسری جانب ان پر بیرونِ ممالک کا دباؤ بہت بڑھ گیا ہے اور اب صدر ضیاؔ خود کو چکی کے دو پاٹوں کے درمیان محسوس کرتے ہیں۔ انہوں نے اندرونِ ملک خود پر دباؤ کم کرنے کے لئے بحریہ کے سربراہ ایرایڈمرل شریف کو ملازمت میں توسیع نہ دینے کا فیصلہ کیا ہے حالانکہ اس سے پہلے ایڈمرل شریف کو یقین دلا دیا گیا تھا کہ وہ ان کی مدّتِ ملازمت میں دو سال کی توسیع کر دیں گے۔ ایڈمرل شریف مسٹر بھٹو کے شدید مخالف تصوّر کئے جاتے ہیں اور ملٹری کونسل کے ایک رکن ہونے اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی عدم موجودگی میں قائم مقام چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بننے کے ناطے سے ان کا جنرل ضیاؔ پر کافی اثر بھی تھا مگر اب جنرل ضیاؔ نے کم از کم اندرونِ ملک حد تک تو خود پر پڑنے والے اس دباؤ میں کمی کر لی ہے دوسری جانب قومی اتحاد نے ان سے کہا ہے کہ اگر جان بخشی کے سلسلے میں فیصلہ کرنا ہو اور جان بخشی کرنا مقصود ہو تو صرف اسی صورت میں یہ معاملہ کابینہ کے سامنے لایا جائے، ورنہ صدر خود فیصلہ کریں۔ کابینہ کو فریق نہ بنائیں۔ کابینہ اور قومی اتحاد کے اس الٹی میٹم نے بھی صدر ضیاؔ الحق کو مشکلات میں گرفتار کر دیا ہے۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے شاہ خالد کو بالواسطہ طور پر منع کیا ہے کہ وہ مسٹر بھٹو کی جان بخشی کی اپیل نہ کریں۔ جبکہ ۱۹۵۳ء میں خود مولانا کی جان بخشی بھی شاہ فیصل کی اپیل کی وجہ سے ہوئی تھی ورنہ جنرل محمد اعظم خان نے تو کام دکھا دیا تھا۔

پچھلے دنوں سپریم کورٹ میں مسٹر بھٹو کی نظرثانی کی اپیل کی سماعت کے دوران مسٹر یحییٰ بختیار اور وکیل سرکار مسٹر ایم اے رحمٰن کے درمیان زبردست نوک جھونک ہوئی مسٹر بختیار مبینہ طور پر ہائی کورٹ پر ریکارڈ میں تبدیلی کا الزام لگا رہے تھے تو اعجاز بٹالوی نے کہا اگر یہ بات عام حالات میں کہی جاتے تو تمہیں جیل ہو سکتی ہے۔ یحییٰ بختیار نے کہا جیل بھجوا دو مجھے معلوم ہے کیا تیاریاں ہو رہی ہیں انہوں نے مزید کہا کہ میں نے جو کچھ کہا ہے مجھے اس پر فخر ہے۔ اس پر وکیل سرکار مسٹر ایم اے رحمٰن نے کہا آدمی ڈھیٹ ہونا چاہیئے۔ وکیل سرکار کی بات کی تردید کرنے کی ہم تو کوئی ہمت نہیں رکھتے۔ انہوں نے دراصل یحییٰ بختیار کو کچھ نہیں کہا بلکہ سرکاری پالیسی کی وضاحت کی ہے اس لئے مسٹر بختیار کو برا نہیں ماننا چاہیئے۔

بقیہ:- میکسیکو

کچھ عرصہ پیشتر امریکہ میں بیرونی تعلقات کے ادارے نے میکسیکو اور امریکی تعلقات کے بارے میں جو رپورٹ تیار کی تھی اس میں یہ انکشاف کیا گیا تھا کہ میکسیکو کے عوام میں بتدریج بائیں بازو یا سوشلسٹ نظریات پھیلتے جا رہے ہیں جس سے عوام میں امریکہ کے خلاف نفرت کا گہرا عنصر تیزی سے کام کر رہا ہے لہٰذا اس بات کی ضرورت ہے کہ میکسیکو کے بارے میں ایسی پالیسی تشکیل دی جائے جس سے اس علاقہ کی سیاست میں امریکہ کو ہاتھ پاؤں پھیلانے کا موقع مل سکے۔

امریکی پالیسی ساز ایران کے واقعات سے خاصے فکرمند ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ہمیں ایران کے حالات سے کچھ سبق سیکھنا چاہیئے۔ میکسیکو کے سیاسی ڈھانچے میں امریکہ کو اپوزیشن سے کمیونیکیشن قائم کرنے کے لئے مناسب جگہ تلاش کرنے میں بڑی دشواری کا سامنا کرنا پڑے گا۔ کیونکہ بیشتر پارٹیاں زیرِ زمین ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ برسرِ اقتدار جماعت پارٹی آف انسٹیوشنلائزڈ ریولوشن، امریکہ کو سیاسی مفاد حاصل کرنے کی کس حد تک اجازت دے گی۔ میکسیکو میں مکمل حمایت سے کم تر چیز تخریب کاری ہے۔ سیاسی مبصرین کا کہنا ہے کہ بیرونی تسلط اور کنٹرول سے آزاد ابھرتا ہوا میکسیکو واشنگٹن کے آئندہ پالیسی سازوں کی دردِ سری کا سامان بن سکتا ہے۔

زکوٰۃ ، صدقات
خیرات بابا....
بھلا کرے تیرا اوپر والا — حق
جاوید

250
130
145
525

دُنیا کے مشہور مُصنّفین کی بہترین کہانیاں

حیرت انگیز ○ پُراسرار ○ خوفناک

جُرم وسزا ○ سُراغرسانی ○ مہم جُوئی

شکاریات ○ طنز و مزاح

ناقابلِ فراموش ناول کی تلخیص

نفسیاتی اور جنسی الجھنوں پر سائنسی اور ماہرانہ مشورے

برصغیر کے نامور ادیبوں کی کہانیوں کا انتخاب

ڈائجسٹ سائز پر سب سے الگ ماہنامہ

خوبصورت گیٹ اپ کے ساتھ

؟

عنقریب شائع ہو رہا ہے

ماروی مطبوعات ○ کراچی ۲۹